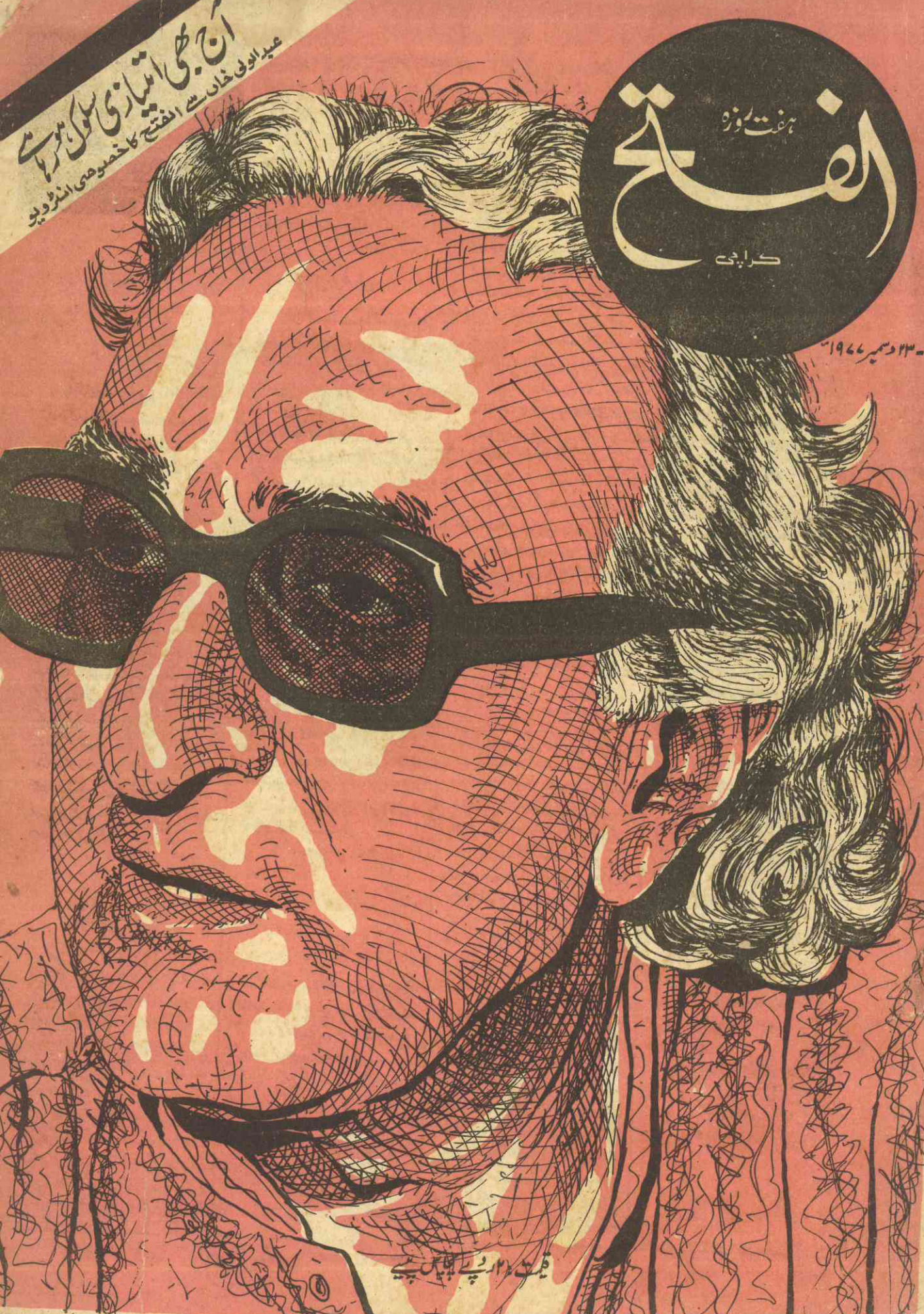


انجی ایٹارنی سولن مرہا ہے
عبدالولی خان سے الفتیح کا خصوصی انٹرویو

افتح

ہفت روزہ
کراچی

۲۳ دسمبر ۱۹۶۶ء



قیث



جامعہ کراچی کی کردگی اور مسن کی عیاشی

جامعہ کراچی کی سرورجی کی تقریبات ۱۹۶۶ء میں منائی جاتی تھیں۔ اب نزدیک ۱۹۸۸ء میں ہوئی پہلی بات تہذیب و آداب ڈیٹ ہوئے کے بعد سرورجی کی تقریب دلیے ہوئے تکی حرکت ہے مگر سب سے بڑا مسئلہ ہے کہ کچھ کی تنگی جامعہ جلا کھن روپے کے مقروض ہے جس کے لکھا کتا لہن، آلات تجرہ کا ہون، لا بھر بریوں خواہندہ اور دیگر بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ ملک میں جمہوریت کا قتل عام ہو رہا ہے۔ صحافیوں، دانشوروں، طلباء، مزدوروں اور کاشتکاروں کو شدید ہتھیانہ دہشتوں سے گزرنا پڑ رہا ہے اس طوائف الملکوں کی ماحبتن نا نا زیب دنیا ہے اس کے علاوہ سندھ میں لکھن کا راج اور دوسرے کالوں کے طلبہ پر یہ امانہ ظلم اور انصافی کے پائل توڑے جا رہے ہیں۔ لہذا جامعہ کراچی کے طلباء کو چاہیے کہ وہ جمہوریت کی برہنہ کی اس ماحبتن کو کام بنادیں۔ جامعہ کی انتظامیہ کو بھی چاہیے کہ وہ جن کی تقریبات کو فوری طور پر منسوخ کرنے کا اعلان کرے۔ دہ طلباء اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

حامد سعید - کراچی

دلی خاں سے سوال

بلوچستان کے لوگ پہلے ہی احساس محرومی کے شکار تھے، مگر اب تو یہ احساس درجہ ہو گیا۔ یہاں کے عوام ہر ایک سے سوال کرتے ہیں کہ آخر وہ کون سی جمہوریت تھی کہ خباب دلی خان اپنے برائے ساتھیوں کو جیل میں پھونک کر پشاور پہنچ گئے کیا ان کے بلوچ دہشتوں سے رشتہ اتنا کمزور تھا؟ ہم بصرا احترام دلی خان سے کہتے ہیں کہ آپ نے بلوچستان کو چھوڑ دیا، مگر اب نیب کو نہ چھوڑ دیتے گا۔ ہمیں ایسا نہ ہو کہ چند دنوں کے بعد آپ کا این ڈی میں شمولیت کا اعلان آئے اگر آپ نے ایسا کیا تو بلوچستان میں آپ کی پوزیشن کیا ہوگی اس کا امانہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

نئی صورت حال میں بھی بلوچ اپنے حقوق کے لئے تنہا جدوجہد جاری رکھیں گے۔ اس سے پہلے سردار شہباز خاں اور سید سلیم دلی نے بلوچستان میں جو سیاست ادا کی ہے، اس سے نیب کے پرانے کارکن بھی دھڑوں میں تقسیم ہو گئے ہیں بلوچستان کے عوام نیب سے پابندی پٹانے اور تمام سیاسی تبدیلیوں کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

(احمد یار کوٹہ)

مترکان تو کھول

نوجی حکومت بے روزگاری پر تالیہ پانے ہی میں ناکام نہیں ہوئی بلکہ اسی کے بعض اقتدار سے اس میں تنگی حد تک اضافہ ہوا ہے۔ اپنی مہم کو دہم بخشنے کیلئے حکومت نے آٹے کی ملیں اور جاول چھڑنے کے کارخانے مافقہ مالکان کو واپس کر دیئے ان، مالکان نے ملوں اور کارخانوں کے مزدوروں ملازمین اور مزدوروں کی چھائی کر کے ہڑتال کو عروج پر پہنچا دیا۔ اقتصادیات کی تاریکیوں اتنے بڑے پیلے بڑے روزگاری کار میکانڈ دستیاب نہیں ہے بہت ممکن ہے کہ سلاب کی صورت بے روزگاری ایک ایسے فوٹان کو جنم دے جس پر تالیہ پانا ناممکن ہو جائے حکومت نے یہ بھی فیصلہ کیلئے کہ کسی کو نہ لکری نہ دی جائے۔ عام لوگوں کو تو طرز متین نہیں دی جا رہی ہیں لیکن دوسری طرف عام بے کر یاں کو فوٹا کر دھوا دھڑ کر لیا دی جا رہی ہیں جنکوں میں بھی حالات ہیں۔ صاف صاف کو توڑی اتحاد کے رہنما خاں روشن ہیں اور بیرون ملک سمیر تقریریں معروف ہیں۔ جھوٹے دور حکومت میں تنگائی ہوئی تو لکیر دانے شرم چا دیا، لیکن اب اپنے ہونٹوں پر آلا دالے عوام کی تاجی کاتاف خاموشی سے دیکھ رہے ہیں۔

احمد علی منٹن - شکار پور

ایروسی ایٹ انجینئرنگ کی سند اور احساس کمتری

وفاقی اور صوبائی وزارت تعلیم اور یونیورسٹی انڈیا سے مطالبہ ہے کہ جہاں ایروسی ایٹ انجینئرنگ کی قابلیت کو گرہ بند کر کے مادی مراعات، عزت اور وقار حاصل ہے وہاں ایروسی ایٹ انجینئرنگ کی سند کو گرہ بند کر کے مادی ساری قانونی منہیت دی جائے تاکہ ایروسی ایٹ انجینئرنگ کے حامل سند یافتہ طلباء اپنی سند کی طرف سے احساس کمتری میں مبتلا نہ رہیں بغیر کمبری سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کریں محمد سید صدیقی

نظم آباد

جی ایم سید علیچو اور بھٹو

دسول بخش پلیجو کا انڈول پر لڑنا۔ اس میں سید صاحب کے متعلق جو باتیں ہیں وہ سرفہریدہ صحیح نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ بھٹو نے علام کو خالی بیدار کیا اور ہاتھ خراب دکھائے پلیجو صاحب کے خیال میں یہ کوئی کارنامہ نہیں ہے عوام کو بیدار کرنا اور اس کو اپنے حقوق بتانا بھی ایک بڑا کارنامہ ہے۔ صدیوں سے برصغیر میں غریب طبقہ کو بایا گیا تھا۔ خاص کر پاکستان بننے کے بعد سندھ کے عوام کو اپنے حقوق مانگنے کی برأت نہیں تھی۔ بہت عوام کو بھٹو نے عطا کی۔ چاہے اس نے اپنے ساتھ ڈوٹیرے ہی شامل کیئے۔ اگر ایک دم عوام کو یہ احساس دلایا جاتا تو ڈوٹیرہ تا ہی اس آواز کو کسی کا بیاب نہیں ہوتے دیتی۔ یہ ایک سیاسی حکمت عملی ہے جس کی وجہ سے آج غریب عام ڈوٹیرہ تا ہی انشرفا، سرمدیہ واری کے خلاف سینہ سپر ہیں پہلے پلیجو جی ایم سید ادا کی جیسے کئی صاحبان غریبوں، ملکہ سندھ کے حقوق کے لئے خالی دعوے کرتے رہے ہیں مگر ناکام رہے۔ اگر کوئی ایک شخص غریب آدمی کے لئے روپیہ میں چار آٹے کا کتبے تو اس کا بدلہ ایک روپیہ دینے والا غریب آدمی ہی ہو سکتا ہے سو راقی بھٹو نے انہیں صرف چار آٹے کا کام کیا۔ مگر آج ملک کا ہر غریب آدمی بھٹو صاحب کے ساتھ ہے نہ کہ جی ایم سید یا پلیجو کے ساتھ۔

سیرورت علی خیر پور - میرٹھ

ترقی پسندوں کی ملازمتوں کے برطرفی

جناب! آپ کا موقف چاہے بھٹو کے دور اور شخصیت کے متعلق کچھ بھی کہیں نہ ہو بھٹو کے جرائم اور مظالم کی فہرست کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، اپنے ایمان کی قسم کہ اگر ذرا یہ توبہ تباہی کے اس کے دور میں ترقی پسندوں کا جینا اس طرح حرام کیا گیا تھا کہ جس طرح آج جو رہا ہے۔ بھٹو نے ان کو مزدور گرفت میں لیا جو علما اس کی مخالفت پر کر لیتے۔ ہوسے مگر خدا کی قسم اس کے دور میں ترقی پسند اور رجعت پسند دونوں عناصر کو اس وسیع میدان پر ملازمتوں سے برطرفی مستحق ہونے پر مجبور نہیں کیا گیا کہ جس طرح آج صرف اڈ صرف ترقی پسندوں کو پٹی پی اور بھٹو کا حافی یا یا یہی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام لگا کر کیا جا رہا ہے دوسری طرف ان ہی اداروں میں جماعت اسلامی کے لوگ جو حقیقی معنی میں سیاسی سرگرمیوں میں اعلان اور عمل ملوث رہے تھے اور آج بھی ان کی سرگرمیاں اور بیان بازیاں جاری ہیں اپنے عہدوں پر بے ہوش ہیں ترقی پسندوں کی چوڑی ہوئی جگہوں پر رجعت پسندوں کو چھایا جا رہا ہے آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ بعض نظریاتی اختلاف

کی بنا پر یا بین ان کے دوائے ماحض سے کیوں عہد کیا جا رہا ہے۔ کیا اسلام میں کافروں تک کہ ان کے بنیادی حقوق کی نراہی کی تاکید نہیں کی گئی؟ آپ بھٹو بھٹو چلاتے رہے اس وقت تک کہ جب تک سامراجی غرضت ان کی نگوں سے اور کا آخری قطرہ تک نہ چھوڑ لیں کیا بھٹو کے مددیں پر نرسٹی اور کالجوں میں جماعت اسلامی کے لیکچرار، جنکوں میں ان کے ملازمین اور مختلف اداروں میں ان کے لوگ بھٹو کی غرضت خطے کے کام نہیں کرتے رہے ہیں۔ زعفران کی فوٹوں کو کوئی خطہ نہ تھا بلکہ انہیں اس قدر نظریاتی اور سیاسی آزادیاں حاصل تھیں کہ وہ ایمپلائز یونین تک پر قبضہ جاتے بیٹھے تھے اور سرکاری ملازمت میں رہتے ہوئے بھی انہوں نے بھٹو کے خلاف تحریک میں حصہ لیا۔ یوں بھٹو کی غلطیوں میں ہم اس نطفی کو بھی شامل نہیں کریں کہ اس نے جماعت پسندوں کی اپنے دور میں اس طرح چھائی کیوں نہ کی کہ جس طرح آج ترقی پسندوں کی جو رہی ہے انانیت کے نام پر انہیں ملازمتوں سے چھڑا رہے ہیں۔

(اشرف علی کراچی)

یہ کس جرم کی سزا ہے

ابابا انتظار سے صحت اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سی ایس ایس لائڈھی کالونی کی پوری آبادی کو کیا سرکاری ریکارڈ میں سمندریا پہاڑی علاقہ ظاہر کیا ہوا ہے یا اگر ایسا ہے تو انہیں ریکارڈ درست کر لینا چاہیے کہ یہاں پر ۵۵ ہلاک حکومت نے تیر کر لائے تھے جن میں ۱۲، ۱۲ اور ۱۲ ہیں اور ۱۸، ۱۸ افراد بستے ہیں مگر اتنی کثیر آبادی کے لئے ڈومینڈ، زچہ خان، بارک ڈاک خان، اسکول، کالج نام کی کوئی شے نہیں لیٹر جس تک لگائے کی زحمت گزارہ نہیں کی گئی۔ آخر یہ کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔ (مرزا عبدالحفیظ بیگ تھوری سی ایس ایس لائڈھی کالونی کراچی)

سیاسی سرکس کا منچلا

اگر آپ سیاسی سرکس کا سب سے منچلا بے مہارت کا نامی دیکھنا چاہتے ہیں تو خاجہ خیر الدین یا محمود الحق خانی سے کہیں وہ آپ کو دکھلا دیں گے۔

اگر کا دیکھنا باعث ثواب اور موجب نجات ہے۔

شگفتہ احمد کراچی

نظم نشر و اشاعت پاکستان مسلم لیگ

ایڈیٹر
وہاب صدیقی

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر
واحد شیر

وقائع خویس

حسین نقی
شیہر حسن

طنز و مزاح

امرجیل

ابوضیا آقبال

اسلام آباد

حمیر شیراز

صوبائی مانتے

احسان عظیم

سندھ مقیم حیدر آباد

کاشف

پنجاب مقیم لاہور

شہزاد عزیز ذی

سرحد مقیم پشاور

نامہ معرفت

پنجاب مقیم کوئٹہ

انتظامی امور

دقیع احمد صدیقی

آرڈر شپ

سعید الدین

خاص مضمین

- دلی خان کی رہائی اصغر خاں کی ترقی کو پابند کر دے گی ————— حمیر شیراز ————— ۷
جبارت کی حمایت سازش: حامد محمود، مسادات کی حمایت سازش، جبارت ————— حسین نقی ————— ۹
جنگ آزادی کے غدار، انگریزوں کے دغا دار، پاکستان کے حکمران ————— رسالہ حسین ————— ۲۰
لاہور رہائی گورنر میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی درخواست کا متن ————— ————— ۳۳

نہا کی بستی کے منظر و عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
افتح
کراچی

قیمت
دو روپے پچاس پیسے

ٹیلیفون
۲۳۲۲۷۲

جلد: ۸
شمارہ: ۳۲

۱۹-۲۳ دسمبر
۱۹۷۷ء

حلقہ نمائندے

- ناصر خان، میرپور، سکھ، جیکب آباد، لاڈکانہ
○ ایاز سندھی، سہانگہڑ ○ ابراہیم عباسی، خیرپور، سکھ، جیکب آباد، لاڈکانہ
○ کامل سمون، ٹنڈوالہیار ○ شفیق ملک، ملتان ○ فاروق طارق، شیخ شکر علی، فیصل آباد، گوجرانوالہ ○ محمد فضل جنجوعہ
○ قاضی فیاض الدین، جالپان، شیخوپورہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ محمد حسین، گوادر ○ روشن ملک، میانوالی ○ تریہڑی، گیلانی، آزاد کشمیر

غیر مالک

- پیکنگ، ڈیڑہ ○ ماسکو، ممبئی ○ کینیڈا، سپر این سوڈ ○ لندن، عبدالغنی قزاقی
○ متحدہ عرب امارات، مقیم دبئی، غلام جیلانی

ادشاد راوی پبلشر نے ناظر پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر فروخت
ہفت روزہ المنتج ۶۹-۵ ڈی زری کرشل ایریا - پی، ای، سی، ایچ، ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

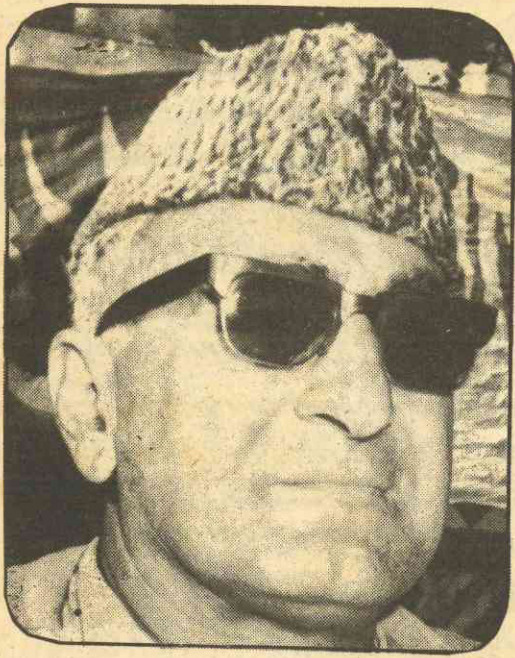
عوام کا حق نہیں چھینا جاسکتا

آج کل سیاست دانوں اور سیاست کاروں کی گفتگو میں ایک ایسا مسئلہ ابھار جا رہا ہے جو نہ تو مارچ انتخابات کی ہم میں سامنے لایا گیا تھا نہ ہی پی پی پی۔ پی این اے مذاکرات میں جناب عبدالولیٰ خاں صاحب کی رہائی کے بعد ان سے ایک بیان منسوب کیا گیا ہے کہ ۱۹۴۳ء کے آئین میں متعینہ صوبائی خود مختاری کی حدود کو نیپ نے صرف جناب ذوالفقار علی بھٹو سے عاز آرائی سے بچنے کے لئے قبول کر لیا تھا۔ پھر قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمد کا یہ بیان سامنے آیا کہ صوبائی خود مختاری کا مسئلہ ۱۹۴۳ء کے آئین میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طے پا چکا ہے۔ پی پی پی کا موقف بھی یہی ہے اور اس کی قیادت اس مسئلہ کے حل کو اپنے نمایاں کارناموں میں شمار کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑی نرم روی کے ساتھ یہ ہم شروع کی گئی ہے کہ چار صوبائی اسمبلیوں اور وزارتوں کا وجود ملکی وسائل پر غیر ضروری بوجھ ہے۔ صرف قومی اسمبلی اور مرکزی سطح پر کابینہ کافی ہے۔ یہ الفاظ دیگر ایڈب خاں کے بی ڈی نظام کی طرف جزوی رجعت کو زیادہ بہتر صورت قرار دیا جا رہا ہے۔ ملکی سیاست پر نظر رکھنے والوں کے نزدیک بعض امور میں دفاع کے اختیارات میں بتدریج اضافہ بھی دودرس سیاسی مضمرات کا حامل ہے۔

مذکورہ بالا صورت حال میں جو بات سامنے آ رہی ہے یہ ہے کہ انتہائی بنیادی نوعیت اور قومی اہمیت کے معاملات کا فیصلہ چند افراد یا بھی بحث مباحثے، تشہیر و تبلیغ کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں۔ اور عوام سے بالا بالا۔ اگر یہ مفروضہ درست نہیں ہے تو پھر غور اور بحث اس بات پر ہونی چاہیے کہ کس طرح عوام کو یہ موقع فراہم کیا جائے کہ وہ ملک کے مستقبل کے سیاسی ڈھانچے کو کس طرح مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہ صرف اور صرف عوام کا حق ہے جسے کسی بھی صورت میں چھینا نہیں جاسکتا۔

۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ ملکی سیاسی زندگی میں تعطل کا مقصد صرف آندادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات منعقد کروا کر اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کرنا ہے۔ لیکن بعد کے حالات شاید ہیں کہ اس بنیادی مقصد کو غیر معینہ مدت کے لئے معرض التوا میں ڈال دیا گیا ہے۔ اور اس دوران انتظام و انصرام مملکت میں تبدیلیوں میں سرکاری عملداروں کی ایما اور منشا کار فرما ہے۔ اس صورت حال کی دستوری اور قانونی حیثیت کے بارے میں سپریم کورٹ اپنا فیصلہ دے چکا ہے۔ لیکن اس سے یہ واقعاتی صورت حال تبدیل نہیں ہوتی کہ اس وقت جو بھی فیصلے ہو رہے ہیں، عوام کے اپنے منتخب کردہ نمائندوں کی رائے اور ان کے توسط سے عوام کی رائے اس میں شامل نہیں ہے۔

اس لئے ہماری رائے میں بنیادی اور فوری تقاضہ یہ ہے کہ ملک کے عوام کو جلد از جلد یہ موقع فراہم کیا جائے کہ وہ اپنے نمائندے منتخب کریں اور ملک کا سیاسی اقتدار ان کے منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جائے۔ ملک کو درپیش مسائل کا فیصلہ جمہوری اداروں کے ذریعے جمہوری طریقے پر کیا جائے۔ اور اس دوران ایسے مسائل کو نہ چھڑا جائے جس سے مزید الجھاؤ اور سیاست میں پیچیدگیاں پیدا ہونے کا امکان ہو۔



ہم سے

آج بھی امتیازی سلوک ہو رہا ہے

میرے اور میرے ساتھیوں کے نظریات اور خیالات تبدیل نہیں ہوتے

انصاف پسند اور سچے لوگوں کی جگہ جیل ہوتی ہے

انہوں نے کہا: "میرے اور میرے ساتھیوں کے نظریات اور خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میں اور میرے ساتھی سمجھتے ہیں کہ بنیادی مسئلہ سماجی ہے اور یہ اچھی نیک حل نہیں کیا گیا۔ اور اس پر تنقید سے توجہ دی گئی اور ہم سماجی اور سماجی مسائل حل کرنے پر زور دیتے ہیں یہ عام کا حق ہے کہ انہیں سیکڑی اور سماجی حقوق دیئے جائیں۔ سماجی مسائل حل کیے جائیں۔ جب تک آپ عام کریہ حقوق نہیں دیتے اور مسائل حل نہیں کرتے اس وقت تک نہ تو قری مجراں حل ہو سکتا ہے اور نہ خوشحال معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے۔ جب ان کی توجہ ان کی پارٹی کے بعض ارکان کے ان بیانات کی طرف مبذول کرائی گئی جن میں کہا گیا تھا کہ این ڈی پی جو نیپ کی جانشین ہے۔ اپنی پیش رو جماعت کے انتقادی اور سماجی منشور کو خدا حافظ کہہ کر اپنی اس میں شامل ہو گئے تھے تو ولی خان نے کہا: یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہندو کے خلاف مغربی ممالک اور سوویت یونین نے متحدہ محاذ بنایا تھا۔ حالانکہ برطانیہ کے چرچل امریکہ کے زورولٹ اور سوویت یونین کے اسٹالن مختلف مکتبہ فکر کے تھے مگر سمجھتے تھے نظریاتی اختلاف کے باوجود انہوں نے مشترکہ دشمن کے خلاف متحدہ محاذ بنایا اور متحد ہو کر دشمن سے نمونہ آرائی کی۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا

کرنا ہوتا ہے لیکن اس دن چار سو سے لیکر "ولی باغ" کے راستے پر جاری ٹریفک تھی۔ کاریں، چیمپین، بچی بسیں اور ٹریکٹر تک اس پر گزرتے تھے۔ ان سب کا رخ "ولی باغ" کی جانب تھا۔

ولی خان سے انٹرویو کے لئے کہا گیا وہ وضاحت ہو گئے۔ "آپ لوگوں کا حجم دیکھ رہے ہیں یہ مجھے ملنے آئے ہیں میں ان سے ملنا بھی نہیں سکا۔ اور آپ کے سرالوات کا جواب بھی دیتا رہوں گا۔" ولی خان نے مجھ سے بتایا کہ وہ اپنے سینے میں درد محسوس کر رہے ہیں اور دلت کو نہ بچا رہی ہو گیا تھا۔ انہوں نے مذاقاً کہا کہ یہ کہہ کر دلت پر بدن کشتی لڑا رہا تھا۔

نیپ پر پابندی ولی خان اور ان کے ساتھیوں کی طویل اسیری کے بعد بہت سی تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں جب ولی خان گرفتار ہوئے تھے۔ قریباً دس برس پہلے پابندی پر سب اقتدار تھی۔ اور اب جب وہ ضمانت پر رہ رہے ہیں ملک میں داخل لاؤنڈ ہے۔ پل کے نیچے سے پانی بہہ چکا ہے مگر ولی خان کا کہنا تھا کہ مسائل وہی ہیں جو پہلے تھے۔ مسائل کے اعتبار سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ وہ "مختار نام" کا تذکرہ کر رہے تھے اور اس معاملے میں خالص تنقید نظر آ رہی تھی۔

۱۰ دسمبر، ۱۹۷۱ء کی تاریخ تھی تقریباً ۲۲ ماہ کی قید بند سے رہائی کا دوسرا دن "ولی باغ" میں خان عبدالولی خان ہر ایک کے گلے مل رہے تھے پورے صوبے سے جاری تعداد میں لوگ "ولی باغ" پہنچے ہوئے تھے وہ تھلاؤں میں کھڑے تھے اور ولی خان سگراتے ہوئے ہر ایک سے مل رہے تھے ان کے ساتھ ساتھ وہ اخبار نویسوں سے گفتگو بھی کرتے جا رہے تھے۔ ان کا مودتہ حب معمول تھا اور بے ساختہ جواب دے رہے تھے۔ ایسے موقع پر خصوصی انٹرویو لینا مناسب نہیں لگتا تھا۔

ولی خان "ولی باغ" کے کھلے احاطے میں کھڑے ہوئے تھے۔ وسیع وسیع احاطہ لوگوں کے کثیر اجتماع کے سبب چھڑاؤ اور تنگ سا نظر آ رہا تھا۔ ولی باغ "بیگم نسیم ولی خان" نے اس زمانے میں تعمیر کرایا تھا جب ان کے شوہر حمید آباد سنٹرل جیل میں پابند سلاسل تھے۔ ولی باغ "چار سو" سے دس میل کے فاصلے پر تخت نہائی کی سمت واقع ہے ولی باغ اور چار سو کے درمیان کوئی پبلک ٹرانسپورٹ نہیں چلتی۔ وہاں جانے کے لیے ہی ٹرانسپورٹ کا انتظام

کہ انہوں نے اپنے نظریات کو خدا حافظ کہہ دیا تھا پاکستان میں بھی بھڑا نظم کے خلاف متحدہ محاذ کی ضرورت تھی۔ پانچ این اے ایک متحدہ محاذ ہے اس میں این ڈی پی کی شمولیت کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس نے اپنے نظریات تبدیل کر دیئے ہیں۔ البتہ انہوں نے کہا کہ یہ چھوٹے چھوٹے سے مسائل اور اعتراضات وہ لوگ اٹھا رہے ہیں۔ جو بنیادی مسائل سے عوام کی طرح بٹھانا چاہتے ہیں اور یہ لوگ وہ ہیں جو ہمیشہ برسرِ انداز رہے ہیں اور رہنا چاہتے ہیں۔ یہ وہی طریقہ ہے جو مسٹر بھٹو نے اپنا یا اور شیخ جمیل الرحمن کی اکثریت ہونے کے باوجود کرسی اقتدار تک کا راستہ ہوا کیا۔ اور اس پر راجحان ہوئے۔ دلی خان نے کہا کہ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اس لیے گرفتار کیا گیا کہ دلی خان پنجاب گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو حقیقی مسائل سے آگاہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس وجہ سے مسٹر بھٹو ناراض ہو گئے اور انہوں نے ہم پر پنجوستان کے حوالے ہونے کا الزام لگایا۔ اور اس جعلی نعرے کا ہمارے کہ ہمیں غدار قرار دیا۔ دلی خان کا کہنا تھا کہ پنجوستان کا چکر مسٹر بھٹو کا پیدا کردہ ہے وہی اس کے خالق ہیں۔ کیونکہ میں نے اپنی کسی بھی تقریر میں پنجوستان کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے امریکہ کی جنگ آزادی کے مصنف تھیوروڈ کے اس جملے کا حوالہ دیا۔ ایک ایسی حکومت کے دور میں جہاں انصافی کرتی ہو انصاف پسند اور سچے لوگوں کی جگہ جیل ہوتی ہے۔

اس سوال کہ کیا وہ آئین میں دی گئی صوابی خود مختاری سے مطمئن ہیں۔ اور اس کو کس طرح موثر بنایا جاسکتا ہے؟ کے جواب میں دلی خان نے آئینی سمجھوتے کے پس منظر کو تفصیل سے بیان کیا اور کہا۔ آئین میں دی گئی خود مختاری نیپ کے نشور اور خواہشات کے مطابق نہیں تھی۔ کم تر تھی۔ اس کے باوجود میں نے دستخط کیے۔ بالفاظ دیگر اپنی ہی پارٹی کے منشور سے انحراف کرتے ہوئے دستخط کیے۔ محض اس وجہ سے کہ بھٹو حکومت سے تقادم نہ ہو۔ مزید یہ کہ اگر ہم دستخط نہ کرتے، تو مسٹر بھٹو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہی رہتے اور مارشل لاء برقرار رکھتے۔ یہی وہ چاہتے تھے لیکن ہم نے آئین پر دستخط کر کے ان کی حکمت عملی کو ناکام بنادیا۔ موجودہ مارشل لاء انتظامیہ نا انصافیوں کے اگر ختم کرنا چاہتی ہے تو اسے چاہیے کہ تمام صوبوں کے

قانون کی کانفرنس بلائے تاکہ سب صوبوں کے نمائندے باہمی صلاح مشورے اور رضامندی سے مسائل حل کر سکیں۔

جنرل ضیاء سے آپ کے ملاقاتیں ہوئی ہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ الیکشن کرنے میں غافل ہیں؟ اس سوال کے جواب میں دلی خان نے کہا کہ جنرل کے غلوں پر شک و شبہ کرنے کی کوئی بنیاد نظر نہیں آتی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مزید یہ ہے کہ بھٹو ازم کا یا است میں مکمل خاتمہ کیا جائے۔ تب ہی آزادانہ اور مفقارہ الیکشن ہو سکیں گے۔ اور بھٹو ازم کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ عوام معافی کا اعلان کیا جائے جن لوگوں کو بھٹو نے محض عدالت اور مخالفت کی بنا پر گرفتار کیا تھا انہیں رہا کیا جائے۔ مقدمات واپس لیے جائیں۔ دلی خان نے کہا۔ تمام خصوصی ٹرہ بولنز کو توڑ دیا گیا ہے لیکن حیدر آباد کی خصوصی عدالت اور بلوچستان

شیر محمد مری نے ضمانت پر رہا ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ دلی خان نے ان کے موقف کو منصفانہ اور جاننے قرار دیا اور کہا۔ شیر محمد اور بلوچستان کے رہنما قتل میں کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں صوبوں کے رہنما متحد ہیں۔ بلوچستان کے مسئلہ کا حل دلی خان نے یہ بتایا کہ بلوچستان کے حقیقی اور اصلی نمائندوں کو حق حکمرانی دیا جائے۔ ان کی حکومت بنائی جائے۔ اور اسے کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ تو تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ کیونکہ اب صورت حال بدل چکی ہے۔ مارشل لاء نافذ ہے اور عام انتخابات کروانے کا پروگرام ہے لیکن عام انتخابات کے انعقاد سے قبل ضروری ہے کہ بلوچستان میں عوام معافی کا اعلان کیا جائے۔ نقصانات کی تلافی کی جلتے اور ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ سیاسی کارکن اور وہاں کے باشندے بلا خوف و خطر اور کسی دباؤ کے بغیر الیکشن میں حصہ لے سکیں۔ بلوچستان کے عوام نے



برنجو، خیر بخش مری

گل خان نصیر

اور شیر محمد مری کا موقف جاننے

بکالی جمہوریت کے لئے بھاری قربانیاں دی ہیں انہوں نے پوری قوم کو سپیل پارٹی کی آمریت اور بھٹو کے کھیل سے آگاہ کیا۔ وہ حریت پسند اور جیلے ہیں۔ ملک کے معروضی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا بنیادی حقوق کی بکالی اور تمام صوبوں کے سیاسی معاشی اور معاشرتی حقوق کا تسلیم کیا جانا بہت ضروری ہے۔ ان کے بغیر کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ قوم کے مستقبل کے بارے میں معروضی حالات کے مطابق منصوبہ بنایا جائے۔ جذباتی نعروں خوش کن وعدوں سے مستقبل نہیں بنتا۔ مشرقی پاکستان میں جو غلطیاں کیں۔ ان کا اعادہ نہیں کرنا چاہیے۔ ان سے سبق حاصل کیا جائے۔ اسی طرح "بھٹو ازم" کے خلاف جدوجہد کرنی چاہیے۔

میں ٹریبونل نہیں توڑے گئے۔ یہ امتیازی سلوک ہے ہم نے اس پر احتجاج کیا تھا اور آج بھی کرتے ہیں۔ آخر ہم سے امتیازی سلوک کیوں برتا جا رہا ہے؟ ہم نے کیا جرم کیا ہے؟ کیا آپ سپریم کورٹ کے سامنے نیپ کے سلسلے میں نیپ ایگزٹیشن پیش کریں گے؟ مسٹر دلی خان نے کہا کہ وہ اس سلسلے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کریں گے۔ لیکن ان کا اولین اور فوری کام حیدر آباد سازش کیس سے فارغ ہونا ہے کیونکہ اس مقدمے نے ریاست سے ہماری وفاداری کو مشکوک بنادیا ہے۔ ہم باوقار اور باعزت شہری کی حیثیت چاہتے ہیں۔ نہ اس سے زیادہ اور نہ کم۔

میر غوث بخش برنجو، خیر بخش مری، گل خان نصیر

ولی خاں کی رہائی اصغر خاں کی ترقی کو یا بند کردیگی

رہا ہونے والے رہنما این۔ ڈی۔ پی میں شمولیت اختیار کریں گے

مسلم لیگ پکارا گروپ میں بڑی
لڑائی شروع ہو چکی ہے

جیل میں جاتے اور باہر آتے ہی رہتے ہیں۔ بشیر اس کے
اخبار نویس جنرل صاحب سے سوال کرتے کہ اس طرح کے
عام آدمی خصوصی فالکن لیارے میں اپنے اپنے شہروں میں
نہیں پہنچتے جاتے وہ جنرل صاحب کے خراب ہوتے ہوئے
موڈ کو بھانپ کر خود ہی کئی کاٹ گئے۔

خان عبدالولی خان نے ڈھائی سال کی قید سے رہائی
کے بعد اپنے نئے گھر دل باغ میں پہل بار قدم رکھا اگلے روز
صبح اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے
کہا کہ ملک بھر میں کوئی بھی ایک سیاسی جماعت قومی جماعت
ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی تمام سیاسی جماعتیں اگر ایک
صوبہ میں مقبول ہیں تو دوسرے صوبے میں ایسی بات نہیں ہے
اس کا حل انہوں نے یہ پیش کیا کہ مشترکہ سیاسی قیادت
کے ذریعے ہی ملک کے تمام حصوں کے عوام کو مطمئن کیا جا
سکتا ہے۔ اگر واقعات کا صحیح تجزیہ کیا جائے کہ یہ بات
صاف ہے کہ قومی اسمبلی میں متحدہ جمہوری اتحاد کا سنگ بنیاد
خان عبدالولی خان کی کوششوں سے ہی رکھا گیا۔ اسی
متحدہ محاذ نے تحریک استقلال کی شرکت کے بعد پاکستان
قومی اتحاد کی صورت اختیار کر لی تھی۔ خان ولی خان نے
۱۹۶۷ء کے آئین کو سب سے لئے قابل قبول قرار دیتے
ہوئے کہا کہ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے اگر اس میں
کی جانے والی تمام ترمیم کو کالعدم قرار دیا جائے سپریم کورٹ
کے فیصلے کے نتیجے میں خان عبدالولی خان پر عام انتخابات
میں حصہ لینے پر پابندی ہے مگر سیاست میں حصہ لینے یا
کسی سیاسی جماعت کے عہدیدار بننے پر کوئی پابندی نہیں
ہے۔ اس صورت حال کی وجہ سے خان عبدالولی خان اور
ان کے ساتھ رہا ہونے والے تمام ساتھی انٹیلیجنٹ ڈیپارٹمنٹ
پارٹی (این ڈی پی) کا پلیٹ فارم ہی استعمال کریں گے۔
انہوں نے ایک جانب تو یہ کہا کہ وہ ملک کے سیاسی حالات

اس سال ملک میں مارشل لا لگنے سے اہم ترین دانتے کے
بعد دوسرا اہم ترین واقعہ یہ ہوا ہے کہ کالعدم نیپ کے
سابق سربراہ خان عبدالولی خان اور ان کے ساتھیوں کو
جیلر باد کے خصوصی ٹریبونل نے ضمانت پر رہا کر دیا ہے۔ ان
رہنماؤں کی رہائی کا مسئلہ مارشل لا لگنے کے فوری بعد سے
مسلسلہ اٹھایا جا رہا تھا۔ خان عبدالولی خان اور ان کے ساتھیوں
کی رہائی سے ملک کی سیاست میں بڑی اہم اور مسلسل
تبدیلیاں آئیں گی۔ فی الحال حکومت نے خان عبدالولی خان
اور ان کے ساتھیوں کے خلاف حیدر آباد ٹریبونل میں چلنے
والے مقدمہ لغات کے علاوہ باقی تمام مقدمات واپس
لینے کا اعلان کر دیا ہے مگر حالات کی ستم ظریفی یہ ہے
کہ حیدر آباد ٹریبونل اپنی جگہ برقرار ہے۔ دوسرے معنی میں
کہا جا سکتا ہے کہ اگر ان لوگوں کا رویہ درست نہ رہا تو
پھر ضمانت مشورے کو بہر حال ہر ممکن ہے سپریم کورٹ
میں نیپ پر پابندی کے سلسلے میں نیارلیفرنس داخل کرنے
سے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیا الحق نے واضح
طور پر انکار کر دیا ہے جنرل ضیا الحق نے سپریم کورٹ میں نیپ پر
نام علامہ اقبال ایڈمنسٹریٹر رکھنے کی تقریب کے بعد
اخبار نویسوں سے غیر رسمی بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ کالعدم
نیپ کے بارے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ اپنی جگہ برقرار رہے
گا۔ اور عبوری حکومت کا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ وہ اس
سلسلے میں نیارلیفرنس سپریم کورٹ میں داخل کرے چیف مارشل
ایڈمنسٹریٹر کو اخبار نویسوں سے بات چیت کے دوران اس
بات پر شدید اعتراض تھا کہ تعلیمی ادارے کی تقریب میں
بھی اخبار نویس سیاسی سوال کرنے سے باز نہیں آتے۔
خان عبدالولی خان کی رہائی کی خبروں کے بارے میں بھی انہوں
نے کہا کہ اخبارات نے بڑی بڑی سرخیوں سے ولی خان کی رہائی
کی خبریں شائع کی ہیں حالانکہ وہ عام آدمی ہیں اور لوگ

کے بارے میں تین سال قحطی کا علم رہے اور وہ اپنے ساتھیوں
سے مشورہ کے بعد ہی اپنے مستقبل کے سیاسی لانچر عمل
کے بارے میں طے کریں گے۔ دوسری جانب انہوں نے کہا
کہ ملک کے سیاسی حالات میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں
آئی ہے۔ پاکستان کے وسیع تر مفاد کے لئے اس کے سوا کوئی
دوسرا راستہ نہیں ہے کہ تمام جمہوری قوتیں متحد رہیں اور
پاکستان قومی اتحاد زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو۔ کیونکہ یہی
وہ صورت ہے جس میں تمام صوبوں کو مساوی طور پر ملک
کے معاملات چلانے میں اپنی شرکت کا احساس ہوگا۔ اسی
طرح سب صوبے باہمی اشتراک سے ملک کا انتظام چلانے
میں حصہ لے سکتے ہیں۔ خان عبدالولی خان کے اس بیان سے
این ڈی پی میں شریک اس گروہ کو یقیناً یابری ہوئی ہوگی جو
جو اپنی عافیت فی الوقت اس میں سمجھتا ہے کہ وہ پی این اے
سے فوراً باہر نکل آتے اور اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے
ہوئے ملک کی سیاست میں بھرپور حصہ لے۔ ہماری یہ
اطلاع یقیناً انکشاف کا درجہ رکھتی ہے کہ این ڈی پی کے
سربراہ مسٹر شیر باز خان مزاری پی این اے کے مستقبل سے
تعلقی طور پر بالکل ہیں اور وہ اصولی طور پر اس کی سیاست
سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اگر ان کے فیصلے میں
کوئی تبدیلی آسکتی ہے تو صرف اس صورت میں جب مسلم لیگ
پی این اے سے علیحدہ ہو جائے مسلم لیگ میں ویسے ہی
پھوٹ ڈھکی ہوئی ہے۔ سپر صاحب پکارا شریف سیاست
ہی چھوڑنے پر تلے بیٹھے ہیں مگر ان کے کچھ ساتھیوں نے
انہیں اس فیصلے کے اعلان سے روکا ہوا ہے۔ بشیر خاتون
کی چیف آڈیٹر صاحبزادی محمودہ بیگم کو برطرف کر دیا گیا
ہے۔ ان کی مرکزی عاملہ سے رکنیت بھی ختم کر دی گئی ہے۔
اصل لڑائی محمودہ بیگم اور سپر صاحب درمیان نہیں بلکہ مسلم لیگ
کے جنرل سیکرٹری ملک قاسم اور صدر سپر پکارا شریف

کے درمیان ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ پلڑہ کس کا بھاری رہتا ہے؟
 خان عبدالولی خان کی رہائی اگر ایک طرف پاکستان
 قومی اتحاد کے مسلسل مطالبات کے نتیجے میں عمل میں آئی ہے
 تو دوسری طرف ان کی رہائی کو ایک اہم ضرورت
 بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس ملک میں پاکستان پیپلز پارٹی
 کے سربراہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا سیاسی مقابلہ کرنے
 اور ان کو سیاسی شکست دینے کے لئے اگر کوئی واقعی
 تدبیر و شخصیت ہے تو وہ بلاشبہ خان عبدالولی خان کی
 ہے۔ پاکستان قومی اتحاد میں شریک بانی ہر جماعت کے بارے
 میں کسی استثنیٰ کے بغیر بلا خوف تردید ہماری رائے یہ ہے
 کہ باقی سارے سیاسی لیڈر مسٹر بھٹو کی گرد کو بھی نہیں
 پاسکتے۔ خان عبدالولی خان کی رہائی بہت پہلے ہی ہوجاتی
 اگر اس وقت ان کے اور عبوری حکومت کے درمیان بات
 کسی کامیاب مرحلہ میں داخل ہوجاتی۔ اگر یہ حقیقت ہے کہ
 مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سے سیاسی مقابلہ کرنے کے لئے خان
 عبدالولی خان ہی کی ذات باقی ہے تو یہ بات بھی اپنی جگہ
 ایک ایسی اٹل اور انٹ حقیقت ہے کہ خان عبدالولی خان
 اور ان کے ساتھی اس ملک میں وہ آخری سیاسی شخصیات
 ہوں گے جو مارشل لا کا طویل قیام قبول کریں۔ اگر کسی کو
 بھی یہ بات محسوس ہوئی کہ مارشل لا حکام کا ارادہ انتخابات
 کرانے کا نہیں ہے تو اور کوئی جماعت اس پر احتجاج کرے
 نہ کرے این ڈی پی اور ولی خان اس پر شدت سے
 احتجاج کریں گے۔ کالعدم نیپ کی تاریخ گواہ ہے کہ اس
 اپنے اصولوں کو کبھی قربان نہیں ہونے دیا اور ان اصولوں
 کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دی ہے خود خان عبدالولی خان
 نے رہائی کے بعد اپنے پہلے اخباری انٹرویو میں کہلے ہیں کہ
 ہم نے جمہوریت کے لئے ہمیشہ قربانیاں دی ہیں اور آئندہ
 بھی ضرورت پڑنے پر کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔
 ہماری خدمات اور قربانیاں لوگوں کو ہمیں ووٹ دینے
 کی ترغیب دیتی ہیں؟

پاکستان قومی اتحاد سے تحریر کیے استقلال کی علیحدگی کے
 بعد جہاں پی این اے کو یقیناً شدید سیاسی دھچکا لگا تھا
 وہاں خان عبدالولی خان کی رہائی سے وہ خسارہ بھی پورا
 ہو گیا ہے جو اصغر خان کی علیحدگی سے پی این اے کو ہوا تھا
 بلکہ پی این اے کو سیاسی استحکام بھی حاصل ہو گیا ہے
 اصغر خان کی راہ میں خان عبدالولی خان اور ان کے ساتھی
 دوسرا بڑا روٹا ثابت ہوں گے۔ پنجاب اور سندھ میں اگر
 اصغر خان کو پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کے چیرمین مسٹر

بھٹو کی مخالفت برداشت کرنا پڑے گی تو اس سے دوچند
 مخالفت انہیں سرحد اور بلوچستان میں این ڈی پی اور خان
 عبدالولی خان کی صورت میں برداشت کرنا پڑے گی۔ ماضی قریب
 کے جو حالات ایر مارشل ایم اصغر خان کے اقتدار تک
 سیدھے راستے کی صورت میں مل رہے تھے اب ان میں
 رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ پہلا اقتدار کا دھال ایر مارشل
 کے لئے اگر ناممکن نہیں تو مشکل ترین فرد ہو گیا ہے۔ یوں بھی
 مسٹر اصغر خان کے رویے میں اس صورت حال میں جو تبدیلی
 آگئی تھی وہ بڑی چونکا دینے والی تھی۔ انہوں نے خان
 عبدالقمر کے غیر مشروط تعاون کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔
 حالانکہ یہ تعاون ان سے بات چیت کے دوران طے ہو گیا
 تھا۔ کیلبر پرواز کرنے کی شدید خواہش میں مسٹر اصغر خان
 نے سرحد میں ایک مضبوط شخص کی مخالفت مول لی۔ یہ

علیحدہ بات ہے کہ خان عبدالقمر خان کی یہ غیر مشروط تعاون
 کرنے کی یہ جرات پاکستان پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیرمین
 مسٹر بھٹو کو اس قدر ناگوار گذری کہ انہوں نے خان قمر
 کے ساتھ اپنے شوہر اور پارٹی کے چیرمین مسٹر بھٹو کے
 کم از کم سرحد کی حد تک ملے ہوئے والے انتخابی اتحاد کو
 یکجہت ختم کر دیا۔

ملک میں ہونے والے آئندہ انتخابات کے لئے نئی
 حلقہ بندیوں کے لئے تفصیلات تیار کی جارہی ہیں۔ انتخابات
 کی تیاریاں جاری ہیں۔ اگر حالات سوچ کے مطابق چلتے رہے
 اور مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کو سیاسی عمل میں حصہ
 لینے کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا اور دوسرے مہرے
 اپنی جگہ سے نہ ہلے جس کی امید نہیں ہے تو پھر انتخابات
 جولائی ۸۸ء میں ہوجائیں گے۔

مستقل ماہانہ آمدنی حاصل کیجئے
 نیشنل بینک کے
 ماہانہ آمدنی منصوبے
 میں سرمایہ کاری کیجئے
 فکسڈ پارٹ اکاؤنٹس کے نظام میں
 بالکل نیا تصور
 تفصیلات کے لئے نیشنل بینک کی قریب ترین
 شاخ سے رجوع کیجئے

نیشنل بینک
 آف پاکستان



وقت کے تقاضوں کے دوش بدوش

جسار کی حمایت سارک

محمد

مساوا کی حمایت سارک

جسار

بھٹو کو یس سر کرنے والے ، سر اور عالی جناب ہو گئے

مودی شدید بیمار اور نحیف نزار نظر آتے ہیں

حسین نقی

قومی اتحاد کی عالم سے نظام مصطفیٰ کی اصطلاح منظر
کرائے کے بعد جمعیت العلماء پاکستان کے خوش شکل خوش الحان
مولانا شاہ احمد نورانی نے عارضی انتظامیہ یعنی مارشل لا انتظام
کو نظام مصطفیٰ نافذ کرنے کے درخواست پیش فرمادی ہے
اور مقامی ہفت روزہ زندگی میں الطاف حسین قریشی صاحب
کے ساتھ انٹرویو میں نورانی میاں نے کہا ہے کہ اگر احتساب
کا سلسلہ فی الواقع شروع ہو جائے تو قومی اتحاد سال سے بھی
زیادہ انتظار کر سکتی ہے۔

ادھر خان عبدالولی خاں اپنی سابقہ قیادت کے
رہنماؤں کو جن کا تعلق بلوچستان سے ہے اور جو ضمانت
پر رہا ہونے کو تیار نہ ہوتے۔ حیدر آباد جیل ہی میں ابھڑ
کر خصوصی طیارے سے پشاور واپس چلے گئے ہیں اور عشرہ محرم کے
بعد ان کی بیگم کے ساتھ امین ڈی۔ پی کے قائدین پنجاب کے
باقی ۱۲ اصطلاح کا دورہ کرنے والے ہیں۔

لاہور میں قومی اتحاد اور مسلم لیگ کی مجلس عالم کے
اجلاس کے بعد مسلم لیگ میں ایک دوسرے پر گند اچھلنے
کا بین الیمیر لگا رہا۔ صاحبزادی محمدہ مقابلہ شروع ہو چکا ہے
اور قومی اتحاد سے علیحدگی کے بعد تحریک استقلال کے سربراہ
لاہور سٹی کے بجائے کینٹ سٹیشن پر اتر کر اپنی عالم کے
اجلاس کی صدارت فرما چکے ہیں۔ یہ علیحدگی کے بعد ان کی
لاہور میں پہلی آمد ہے۔

پچھلے دنوں ہی لاہور میں پیپلز پارٹی کی مجلس عالم
کے اجلاس کے دوران ہی مولانا کوثر نیازی کی بیماری
کی خبریں اڑتی شروع ہو گئیں۔ وہ بیماری کے باوجود
لاہور رٹرنس لائے۔ بیماری کے باعث اسلام آباد
واپس چلے گئے اور بیمار ہوتے ہوتے وہاں اپنے اعزاز
میں دیئے جانے والے استقبال میں شریک ہوئے۔

ادھر لاہور میں مولانا مودودی، صلاح الدین مدیر
جسارت کی کتاب بنیادی حقوق کی تقریب رونمائی
میں واقعی شدید بیمار اور نحیف و نزار نظر آتے۔ اور

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس قوم کو بنیادی حقوق
میں سر ہونے والی قوم میں شامل کرنے کی دعا فرمائی۔ اس
تقریب میں ریٹائرڈ جج کیلیاؤس نے جب یہ کہا کہ اس
ملک میں کوئی بھی انکار نہیں کرتا کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ
کی ہے لیکن کوئی بھی اللہ کے حکم پر عمل نہیں کرتا۔ اور
"سچی بات یہ ہے کہ ہم شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں تو
"سچی باتیں مصلحتاً گول کر دینے کی عادت سے محبور مولانا
مودودی کی تحریک اسلامی کے مضمین میں سے کسی نے

کہا کہ: اذان ہو رہی ہے سیاسی حربہ کے طور پر ہمارے
یہاں اذان کسی مقرر کو چپ کرانے کے لئے ایک آدمی اور
مستقبل حربہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے اور اگرچہ ریٹائرڈ
جج کیلیاؤس نے اپنے سمیت ساری قوم کو "مشرکین" میں
شامل سمجھنے کے باوجود اذان کے احترام میں اپنی تقریر
ختم کر دی لیکن ان کے بعد صلاح الدین نے اپنی کتاب
کی شان نزول کا بالتفصیل پس منظر بھی بیان کیا اور
مولانا مودودی نے دعائیہ کلمات بھی ارشاد فرمائے اور
اصل اذان اس کے بعد ہوئی جس کے بعد بینظر بھی
دیکھنے میں آیا کہ نماز ادا کرنے کے سلسلے میں تحریک اسلامی
کے مجاہدین کی ماشاء اللہ کافی بڑی تعداد بھی ہم جیسے
بقول مولانا مودودی "تسلی مسلمانوں" جیسی ہی ہے۔

بنیادی حقوق کے سلسلے میں بھی پتہ چلا کہ اس
کتاب کی تحریر و ترتیب کے دوران دور ایرانی سے سکریٹری
اطلاعات اور بعدہ مولانا مودودی کی تفسیر تفسیر القرآن
کو انگریزی دائروں سے رد شناس کرنے والے جناب
الطاف گوہر، جنہیں بھٹو حکومت کے ایک اور وعدہ
رہی پکائی تازہ دہلی پلانٹ لگانے اور چلا کر دینے،
کو لوہا کرنے کا مشرف حاصل ہوا، نے ہمارے صحافی

بھائی صلاح الدین اور ان کے گھرانے کے نان نفقہ کا
بندوبست کا بوجھ اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ یعنی عوام کے
ساتھ بھٹو صاحب کا "روٹی" کا وعدہ (حال میں جسارت
صلاح الدین کے ساتھ واقعی پورا کر دیا گیا تھا۔

شاید یہی وجہ ہے کہ صلاح الدین صاحب کو اب
صحافیوں کی انجمن پی۔ ایف۔ یو۔ جے اور بالخصوص اُس کی
قیادت کے خلاف اداراتی لگن انشائی کرتے ہوئے یہ بھی
یاد نہیں رہتا کہ اسی انجمن اور اسی سہیلہ برنا کی قیادت
میں جسارت کی پابندی کے خلاف ہڑتال کرنے پر اس
وقت بھٹو صاحب کے چیتے چیرمین نیشنل پریس ٹرسٹ
مسطحہ حامد محمود نے یہ الزام لگایا تھا کہ ہڑتال دماصل
بھٹو صاحب کے اسی دن شروع ہوئے والے بیرونی دیر
کے خلاف سازش اور دورہ کو سبوتاژ کرنے کی کوشش تھی

ایک زمانہ تھا جب بھی صلاح الدین جسارت کی
سابق انتظامیہ کے خلاف اپنے ساتھی صحافیوں کے حمایتی
تھے ادباً بنیادی حقوق لکھ چکنے کے بعد ایک ادارہ
میں موصوف صحافیوں کی بیرونی کاری دہر کرنے کے لئے
"آزاد پالیسی کے تحت سرکاری نگرانی میں مسادات
نگھانے کا مشورہ عطا فرماتے ہیں اور دوسرے میں جب
کارکنوں کی تحریک جس کو مطعون کرنے کی تمام کوششیں
نا کام ہو چکے تھے بعد کامیابی حاصل کرتی ہے اور مسادات
کے دوبارہ اجرا کی مسادات کی سابقہ انتظامیہ کو اجازت
ملتی ہے، تو اس کی تائید فرماتے ہیں اور بیگم نصرت بھٹو کے
موقت کی حیات اور صحافیوں کی تحریک پر الزامات کی بارش
فرماتے ہیں۔ غالباً یہ اُس کی پکائی روٹی کا ہی اعجاز ہے جس
کا بندوبست مولانا الطاف گوہر نے "بنیادی حقوق" لکھوانے
کے لئے مولانا صلاح الدین کے لئے کیا۔

بات کہاں سے شروع ہوتی تھی اور کہاں پہنچ گئی۔
سچ تو یہ ہے کہ صورت حال ہی کچھ ایسی ہے ۱۹۷۷ء
کے اختتام میں ابھی دو ہفتہ باقی ہیں لیکن اس سال کے

آغاز سے اب تک بھی آپ غور کریں، بات کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔

لیس سر، لیس سر (Reddy) کہتے اسرشاہی کے جن کارندوں کی زبان بھٹو کے سامنے خشک ہوتے ہیں ان ہی آٹھوں سے دیکھیں، آج وہ سر (Reddy) یعنی عالی جاہ ہو چکے ہیں۔

وہ جو اپنی ”بڑی بہن“ نصرت بھٹو کے حوالے سے بھٹو کے برادر نسبتی بن چکے تھے، آج ”اسلامی اصول انصاف“ آٹھوں کے بدلے آٹھ۔ دانت کے بدلے دانت، کا حوالہ دے رہے ہیں۔

دیدہ ور کے مصنف مولانا کوثر نیازی کو اپنے استقبال میں بھٹو، نصرت بھٹو، زندہ باد کے نعروں پر نفور لگانے والوں کی سرزنش کرنی پڑتی ہے۔

وہ جو ہم جیسے ”بدلتیر“ اخبار نویسوں کو ذریعہ انظم سہراہ حکومت سے سوال پوچھتے اور اس کے سامنے نشست و برخاست کے ”آداب“ سکھاتے تھے، آج ”تلاش کے تنگ گناہ“ میں کہ انہوں نے اسے ”اندھیروں“ اور ”تاریکی“ سے باہر نکالا ادا نہیں ”گناہوں سے توبہ اور استغفار“ کا موقع ملا۔

جو اخباری مالکان اور اخبار نویس بھٹو کی ”قوی اور بالخصوص اسلام کے لئے خدمات“ کی گہر دان کرتے رہتے تھے اور بھٹو کی ”غیر معمولی تادمہ صلاحیتوں“ کے قائل اور اس لئے اس کے بلا شرکت غیر سہر دار تھے، آج جو کچھ لکھ رہے ہیں جو کچھ کر رہے ہیں، اس کی تفصیل ہزاروں کالموں تک پھیل چکی ہے۔

ابھی سال ختم نہیں ہوا ہے!! پھر بھی، اس سب تغیر سے بادلِ جہان کو ہمیشہ کی طرح چہرے یقین ہے کہ ”جو آگیا اسے جانا نہیں ہے“ اور یہ اپنے دھندے سے لگے ہوئے ہیں۔ اور یہ مومن بھی ہیں۔ اللہ کو بھی مانتے ہیں!!

بات پھر کسی اور طرف چلی گئی ہے کہ صورت حال کچھ ایسی ہی ہے، ہر کوئی ہر دوسرے سے یہ پوچھتا ہے کہ اب کیا ہوگا۔ بات ہر پھر کے پیسے پر آجاتی ہے۔

ہم نے بھی جو پوچھتا ہے کہ اب کیا ہوگا اسے اتنا ہی کہتے ہیں کہ یہ دیکھو اب تک کیا ہوا ہے۔ صرف جھڑی شے سے اب تک۔ زیادہ سمجھے جانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ پتہ چل جاتے گا کیا ہوگا۔

چونکہ ہم یہ بتانا کہ تنگ ہو چکے ہیں لہذا ہم اب

خود ہر ایک سے یہی سوال کر لیتے ہیں۔ اب کیا ہوگا کیا ہونا چاہیے، کیا ہو سکتا ہے۔

تحریک نظامِ مصطفیٰ کے پس پردہ کام کرنے والوں سے ادھر لاہور میں ہیں جو جواب ملے ہیں۔ ان کا لُپ لباب یہ ہے۔ ۱۔ بھٹو کو ہر قیمت پر سیاست سے علیحدہ کر دیا جائے۔ کسی بھی طرح سے اسے سزا دی جائے۔ جلد دی جائے۔

۲۔ پیپلز پارٹی کے ساتھ چونکہ ابھی بھی وہ دھڑوں کی اکثریت ہے لہذا دھاندلی کر کے بکھے (BalloTBox) بھر دیتے جاتیں اور اقتدار منتخب شدہ نمائندوں کو منتقل کر دیا جائے۔

۳۔ سرمایہ کاری اُسی صورت میں ہوگی کہ سرمایہ داروں کو یقین ہو کہ آئندہ پانچ دس سال تک ان کو بالکل آزادی ہوگی اور ملازمت پر رکھتے اور ملازمت سے برخاست کرنے کا کُل اختیار ہوگا۔

۴۔ ٹیکس اور ڈیوٹیوں میں کمی جائے اور برآمد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے اقدامات کئے جائیں۔

حاکمیت اللہ کی ہے، کوئی بھی

اللہ کے حکم پر عمل

نہی کرتا۔ کیا قس

۵۔ قیمتوں کو بلا روک ٹوک ”مارکیٹ کے اپنا اصول“ کے مطابق متعین ہونے دیا جائے اور اجرتوں کا تعین آج لینی سرمایہ کاری کرنے والے مالکان کے اختیار میں ہو۔

۶۔ سرمایہ کاری کرنے والوں سے اس ضمن میں کوئی پوچھ گچھ نہ کی جائے کہ ان کے پاس یہ سرمایہ کہاں سے آیا۔

۷۔ اجرتوں میں اضافہ کچھ سالوں کے لئے بالکل روک دیا جائے۔ موجودہ اجرتوں کے لئے پیداوار کی مقدار کا تعین مالکِ سرمایہ دار کو کرنے کا اختیار دیا جائے۔

اور پیداوار کی متعین مقدار میں کمی ہونے پر اجرت میں سے کوٹھڑی کی اجازت ہو۔

۸۔ اجناس کی کم سے کم قیمت مقرر کرنے کا سلسلہ فوری طور پر منسوخ کیا جائے۔

۹۔ جو سیاسی جماعتیں ان بنیادی اصولوں سے اتفاق نہ کریں ان پر پابندی عائد کر دی جائے۔ اخبارات میں ”انسٹا ریپنڈی“ کی خبروں پر بندش ہو اور مزدوروں اور

ملازمت پیشہ لوگوں پر ملازمت سے بلا جواز علیحدگی کے خلاف رجوع کرنے کی اجازت واپس لی جائے۔

یہ نہرت تھو تو کافی طویل ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ ہمارے صاحبِ امرائے کھاتے پیتے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ، اعلیٰ عہدیداروں اور نظامِ مصطفیٰ کو بطور نعرہ استعمال کرنے والوں، سرمایہ داری کے فروغ کے حامیوں اور نظریہ پاکستان کے دعویداروں اور دانشوروں کی راستے ہے جس کا تذکرہ ڈراما ”گرمیوں“ اعلیٰ کوالٹی کے ہوٹلوں، بڑے بڑے سرمایہ کاروں کے اداوں کے دفاتر میں ہوتا ہے۔

بیسویں صدی کی ان آخری دو دہائی میں رہنے والو پاکستان کے دل لاہور میں بسنے والوں، انگریزی اور دو رسائل کا مطالعہ کرنے والوں، بی بی سی اور وائس آف امریکہ سننے والوں، نیوزویک اور ٹائم میگزین کا مطالعہ کرنے والوں کی ”سوچی سمجھی“ داتے ہے۔ اور ماشاء اللہ کراچی تو پھر لاہور سے ہمیشہ آگے رہتا ہے۔ وہاں کی راستے وہاں والوں کو تیرہ ہونی چاہیے۔

”تاندرا عظم نے شاید ایسے ہی مومن حضرات کے لئے کہا تھا۔

”خدا ہی ان کی مدد کرے۔ ہم ان کی مدد نہیں کریں گے۔“

ہم چونکہ نہ تاندرا عظم ہیں اور نہ علامہ اقبال کہ جہنم نے ابلیس کو بھی اللہ کے سامنے لاکھڑا کیا۔ ع

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح لہذا، ہم بس دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کی مدد کرے۔

گو کہ ہمیں پتہ ہے کہ ہم نہ تو بادشاہِ خاں رخاں عید الغفار خاں کی طرح مومن ہیں اور نہ عابدِ حسین المعروف بُہ سیٹھ عابد کی طرح خیر کسہ کسی ہسپتال کو اپنی ٹیک اور صالح کمائی سے مبلغِ پچاس ہزار سے بھی زیادہ کا عطیہ دے سکیں۔

لیکن دعاؤں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ مومنوں اور غیر مومنوں کی ہی قبول ہوتی ہیں یا ہمارے صحابی بھائی صلاح الدین کی کہ جن کے لئے اللہ تعالیٰ کسی ایڑی خانی سیکڑی اخلاعات کوئی الطاف کو ہر کسی نیک و صالح خدا ترس ادا سلامی جنبہ سے سرشارِ منہ خدا کا بندوبست کر دیتا ہے۔ وہ بندہ خدا ان کی مدد کا اور وہ خود بنیادی حقوق کے کھٹنے کا بندوبست کر لیتے ہیں

..... اور جیل کا پھاٹک کھل گیا

سینکڑوں بلوچ بہاؤں میں محصور اور ہزاروں جلاوطن زندگی گزار رہے ہیں



اسٹیم

تاریخ شاہد ہے کہ عوامی انگل ادا شدہ کی راہ میں کوئی رکاوٹ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتی۔ ابھی کل کی بات ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی پر پابندی اور اس کے سربراہ خان ولی خاں اور دیگر ساتھیوں پر غداری کا مقدمہ قائم کر کے پس زندان ڈالا گیا۔ مقدمہ کے مندرجات اور سماعت کی رفتار کے پیش نظر مقدمے کی حد تک یہ یقینی تھا کہ عرف خضر بھی تاب فیصلہ نہ لاسکتی۔ سرکاری ریکارڈ پر چاہے جو کچھ رکھا تھا۔ ملک کے عوام کی اکثریت کا مطالبہ تھا کہ امیروں کو رہا کیا جائے۔

جنوری ۱۹۷۷ء میں انتخابی مہم شروع ہوئی۔ پی ایچ اے نے انتخابی مہم کا آغاز کراچی سے کیا۔ دوسرا جلسہ حیدرآباد میں رکھا گیا۔ اتحاد کے مرکزی قاتین کو کراچی سے براستہ سپرائی دے حیدرآباد پہنچا تھا۔ حیدرآباد اور قرب وجوار کے لوگ ۲۲ جنوری ۱۹۷۷ء کی صبح ہر حصے سے سمٹ کر بیراج کالونی پہنچنا شروع ہو گئے۔ سورج ابھرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے جوش و خروش میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ سورج نصف النہار پر پہنچا اور ایک غلغلہ بلند ہوا کہ لڑوہ آگے لیڈروں کو کادوں سے اتار کر ٹرک پر سوار کیا گیا۔ لاکھوں کا جلوس بنا اور کشاں کشاں سورج جلسہ گاہ بڑھتا شروع ہوا۔

بیراج کالونی ختم ہوتے ہی جلوس چڑھائی چڑھا حیدرآباد سنٹرل جیل کا پھاٹک سامنے تھا۔ شرکا جلوس پھاٹک کے سامنے جم گئے۔ نفرہ بلند ہوا۔ جیل کا پھاٹک کھولیں گے۔ دلی کو باہر لائیں گے۔ عوام کا جوش و خیز بہ نقطہ عروج پر پہنچا پی ایچ اے کے سربراہ مفتی محمد

اعلان کیا کہ، لوگو! سازش کیس باطل کر آئے بغیر ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ عوام کے ٹھٹھاٹھیں مارتے سمندر کو دیکھتے ہوئے جلسہ میں شامل ایک فرد در مارکن نے رجز شروع کیا۔

اب ٹوٹ گریں گی زنجیریں اب زندانوں کی خیر نہیں جو دیا جہوم کے اٹھے ہیں تنکوں سے نہ ٹالے جاتیں گے۔ مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخاب کے خلاف تحریک چلی، لاکھ گونی آگ و خون کی بادش کے دوران بھی "ولی خاں کو رہا کر دے" کی بازگشت جاری رہی۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو فوج نے اقتدار سنبھالا۔ ملک کی صورت حال بدلی



"ولی خاں کی رہائی کوئی دم کی بات نہیں۔ لیکن پانچ خلیل حسینہ گڈرے سازش کیس سسٹم لکھنا چاہتے ہیں۔ تو اتحاد دلی خاں کی رہائی کے سلسلہ میں ٹھنڈا ہوتا گیا۔ جنرل ضیا الحق اور دلی خاں کی ملاقات بھی ہوئی لیکن پرنا نہ وہیں گزرتا رہا۔ آخر دلی خاں، بزنجو اور اباب سکند خلیل نے خود پیش کی سندھ ہائی کورٹ میں اپنی گرفتاری اور حراست کو چیلنج کیا۔ اسی دوران ایک بڑے دفع کے بعد خصوصی ٹریبونل کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ ضمانت کی درخواست

پیش ہوئی اور پس زندان اکتالیس میں سے پندرہ افراد کی ضمانت منظور ہوئی۔ ملک کی غیر یقینی سیاسی صورت حال میں ایک بھونچال آیا۔

۶ دسمبر ۱۹۷۷ء کا سورج طلوع ہوا۔ سابق گورنر میر رسول بخش تالپور اپنی ملکیت کے کاغذات کے ساتھ جیل کے دروازے پر کھڑے نظر آتے۔ جیل کا ہیپ پھاٹک کھلا میر رسول بخش تالپور حاکم علی زرداری اور درجنوں صحافی اور اندر پہنچے۔ اسیروں سے ملاقات بعد ملن کی کیفیت پیدا کر رہی تھی۔ سردار بخش مری، غوث بخش بزنجو اور گل خاں نصیر نے ضمانت پر آزاد ہونے سے انکار کر دیا۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق میر شیر محمد مری نے بھی ضمانت پر رہا ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ ہر فرد نے وجہ جانی چاہی۔ پتہ چلا کہ گل خاں نصیر بزنجو دیگر مقتدا ہیں جن میں سے تین میں انہیں سزا سنائی بھی جا چکی ہے جب کہ سردار بخش اور غوث بخش بزنجو پر قتل اور ڈاکے جیسے الزامات پر مشتمل کچھ اور مقدمات بھی قائم ہیں۔ ضمانت پر نہ نکلنے کی ٹیکنیکل وجہ معقول تھی لیکن مقدمات صرف مری، بزنجو اور گل خاں پر ہی نہیں ہیں۔ دلی خاں، اباب سکند خلیل، محمد افضل خاں غلام محمد بلور وغیرہ پر بھی قائم ہیں۔ پھر ان کی ضمانت کی درخواست کیوں داخل ہوئی۔ انجسٹس پیدا ہونا یقینی تھا تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ میر بزنجو اور سردار بخش مری اور دیگر بلوچ لیڈروں کے نزدیک بلوچستان کے مسئلہ کا سیاسی تصفیہ ہونے بغیر جیل سے باہر آنا غیر اصولی کے مترادف ہے۔ ان لیڈروں کے مطابق سینکڑوں بلوچ آج بھی پہاڑوں پر محصور ہیں۔ ہزاروں جلاوطن کی زندگی گزار رہے ہیں۔ فوج کا وعدہ ان کے نتیجے میں عوام کے بھاری جان و مال کے نقصانات کی تلافی ابھی تک نہیں ہو سکی ہے۔ بلوچستان



ضمانت پر رہائی نامنظور پہلے بلوچستان کا سیاسی تصفیہ کرؤ مری

ادرااس کے عوام کا مستند صرف رہنماؤں کی رہائی نہیں ہے بلکہ سیاسی تصفیہ اور مقدمہ سازش کا خاتمہ ہے۔ مقدمہ سازش میں پھین افراد گرفتار کئے گئے تھے۔ ایک ملزم امیرزادہ خاں دوران مقدمہ انتقال کر گئے۔ چودہ ملزمان کو لوجہ صحت یا کافی شہادت پہلے ہی ضمانت پر آزاد کیا گیا تھا۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۶ء کو جن پندرہ ارکان کی



ضمانت منظور کی گئی۔ ان میں سے صرف تین ملزمان کرنل سلطان محمد خاں، فتح خاں اہری عورت پائے خاں اور عبدالواحد کردور رہائی پاسکے۔ مقدمہ سازش میں ملوث ملزمان پر میٹین آف پبلک انڈسٹریس رولز اور دیگر مقدمات کا پتہ چلنے پر جرح کا اظہار کیا گیا۔ این ڈی پی کے شیر باز مرزا نے ایک پریس کانفرنس میں شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ رد عمل کا سلسلہ جاری تھا کہ دوسرے دن اچانک ولی خاں، بلوچ ارباب سکندر خلیل، محمد افضل خاں، نثار خاں شندری غلام احمد عطاء اللہ جان اور پرویز سلیم کو سنٹرل جیل حیدرآباد سے شنام کو بریلیر کا رپی اسے ایف اے ایس ڈرگ روڈ کو راجی لایا گیا جہاں فائکن خیارے پر سوار کر کے پشاور روانہ کر دیا گیا یہ وہی فائکن ہے جس پر کبھی سابق وزیراعظم بھٹو صاحب سفر کرتے تھے۔ میر رسول بخش تالپور نے مقدمہ سازش پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "مستغنیث جناب غیاث الدین کی شہادت سننے

کے بعد پاگل سے پاگل آدمی بھی میری اس بات سے اتفاق کرے گا کہ" اب ٹریبونل کی کوئی ضرورت نہیں رہی ہے۔ مقدمات کی تاریخ میں یہ الکونی مثال ہے کہ مستغنیث خود اپنے مقدمے کے حقائق سے لاعلمی کا اظہار کرے۔ دلی خاں کی رہائی پر کہتے ہیں کہ ملک سے سیاسی قیادت کا بحران ختم ہو جائے گا۔" سیاسی خلا پر ہر جہلے کا جلیٹا اور ان کے ساتھی بااخلاقی بااعتماد اور صاحب کردار لوگ ہیں مقدمہ سازش میں ملزمان کے ایک کسٹل صفائی اور جمعیتا علی پاکستان حیدرآباد کے سیکرٹری سید احیوسف کہتے ہیں کہ مقدمہ سازش کی نوعیت سیاسی ہے۔ نیپ پر پابندی کے بعد سیم کوورٹ سے ریفرنس حاصل کیا گیا اور سبھی سائے میں مقدمہ لوگوں کو مقدمات میں ملوث کیا گیا اکثر ملزمان کو خصوصی ٹریبونل کے ذریعہ سزا سنائی گئی۔ ہائی کورٹ میں ایسے اکثر فیصلے ٹھہرے جسکے اپشاد اور سندھ ہائی کورٹ نے سزائیں منسوخ کر کے سزائے قید افراد کو بری کیا۔

مقدمہ سازش میں جہاں نیپ کے لیٹروں کو ملوث کیا گیا وہیں سپیشل پارٹی کے معراج محمد خاں اور میر علی بخش تالپور کو بھی ملوث کیا گیا۔ میر سید عزیز اللہ شیخ کو بھی ملوث کیا گیا لیکن جب انہوں نے اپنی ضمانت کی درخواست پر رجسٹر مشرع کی اور مقدمہ کی کمزوری جھلکنے لگی تو ان کے خلاف مقدمہ واپس لے لیا گیا انہیں آزاد کر دیا گیا۔ آپ اخبارات میں پڑھ چکے ہیں کہ مقدمہ سازش کے مستغنیث جناب غیاث الدین جو ذاتی وزارت داخلہ کے جوائنٹ سیکرٹری بھی ہیں اپنے بیان میں صاف طور پر یہ بات کہی کہ ان سے اس مقدمہ میں صرف دستخط کرائے گئے تھے۔ ان کو نہ تو کسی بات کا علم تھا اور نہ ہی کوئی نواد موجود تھا جس سے وہ یہ کہہ سکتے کہ ملک دشمن اور قوم سے غداری کی گئی ہو۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ سب کچھ بھٹو صاحب کے حکم سے ہوا ہے۔ سازش کا

پیر ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۵ء تک بتایا گیا ہے۔ احیوسف صاحب نے بتایا کہ دلی خاں پر سازش کے علاوہ دس دیگر مقدمات قائم کئے جن میں سے آٹھ مقدمات دفعہ ۱۶۱ ایم پی اڈ کے تحت اور ایک دفعہ ۴۲۴ کی خلاف ورزی میں زیر دفعہ ۱۸۸ شامل ہے۔ تین چار مقدمات ایسے ہیں جو ان کی گرفتاری کے بعد رجسٹر کئے گئے ہیں۔

برنجو صاحب کے بارے میں سٹرا احیوسف نے بتایا کہ ان پر مقدمہ سازش کے علاوہ قتل اور ڈاکے کے الزامات پر مشتمل مقدمات ہیں۔ انہیں عادی جرم اور ڈاکو ملّا کانسپرست کہا گیا ہے۔ برنجو صاحب گرفتاری سے کچھ وقت پہلے تک دفاتی حکومت کے نمائندے کے طور پر بلوچستان

تھرپاکر، عبداللہ قائم خانی

احتساب واپڈا کا بھی...

ملک میں ہر طرف احتساب اور محاسبہ کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ ایسے میں کیا ہی اچھا ہو کہ ہر سرکاری محکمے کی گذشتہ ۳۰ سالہ کارگزاریوں کا محاسبہ کیا جائے۔ احتساب کیا جائے۔ اور ان محکموں کی فہرست میں واپڈا کو پہلے نمبر پر رکھا جائے۔ تو ہمیں یقین ہے کہ حیرت انگیز انکشافات ہوں گے۔ تھرپاکر میں واپڈا کی کارکردگی ہمیشہ سے مایوس کن رہی ہے اس وقت ضلع میں صرف دو گرڈ اسٹیشن ہیں۔ جو ڈگری اور میر پور خاص میں واقع ہیں۔ سامارو اور عمر کوٹ میں گرڈ اسٹیشن کی تنصیب کے لئے متعدد سروے کئے گئے۔ دیوڑ میں تیار کی گئیں اور سردخانے میں ڈال دی گئیں۔ چنانچہ ضلع کے

کے گورنر تھے قبل کے مقدمے کی آج تک سماعت نہیں ہوئی ہے۔ مقدمات کے پس منظر میں ہر عامل و رباغ اور مذکورہ افراد کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ ان پر مقدمات سیاست میں حصہ لینے اور سابقہ حکومت کی مخالفت کی وجہ سے قائم کئے گئے اور انہیں پابند سلاسل کیا گیا۔ اس سوال پر کہ آیا زیر سماعت مقدمہ کے پیش نظر دلی خاں اور ان کے ساتھی سیاست میں حصہ لے سکتے ہیں احمدیوسف کہتے ہیں کہ قانونی طور پر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑتی۔

احمدیوسف قومی اتحاد کے رہنما بھی ہیں اس تعلق سے دلی خاں کی رہائی اور قومی اتحاد پر اثرات کے بارے میں سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ دلی خاں کا بلند سیاسی مقام ہے۔ وہ ۱۹۴۵ء تک اسمبلی میں قائد حزب اختلاف رہے اور ۱۹۴۷ء میں اسمبلی ٹوٹنے تک ان کی حیثیت برقرار تھی۔ مفتی محمود قائم مقام فائز کی ذمہ داری انجام دے رہے تھے۔

دلی خاں کی رہائی سے جہاں جمہوریت پسند عوام میں خوشی کی لہر دوڑی ہے وہیں محاکم کی لیڈروں کے لئے تشویش کا سبب بنائے۔ قومی اتحاد سے وابستہ جماعت کے ایک

کارکن کا کہنا ہے کہ دلی خاں اور ان کے ساتھیوں کی رہائی ناگزیر تھی۔ سابقہ ریڈی ایف کی جماعتوں کے لئے دلی خاں پہلے بھی تسلیم شدہ قائد تھے۔ آج بھی ان کی حیثیت برقرار ہے۔ لیکن چور و دزدانے سے سنا اقتدار کے خواب دیکھنے والوں پر یقیناً اثرات پڑیں گے۔ اسی کارکن کے بقول دلی خاں کی متوقع رہائی کے پیش نظر ہی تحریک استقلال نے اتحاد سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ اتحاد میں موجود بعض شخصیات جو قیادت پر تشویش کرنے کے خواب دیکھ رہی تھیں، انہیں یقیناً ایسی ہی ہوگی۔ اور اس امکان کو رد نہیں کیا جا



احمدیوسف

سکتا کہ وہ دلی خاں کی قیادت کو جواز بنا کر اتحاد سے علیحدگی اختیار کریں۔

آخر میں یہ بھی سنتے چلیے کہ اصغر خاں کی آمد کے موقع پر تحریک کے کارکنوں کے اجلاس خصوصی پریس کانفرنس میں بدلتی کی تلافی کے طور پر تحریک کے مقامی صدر عبدالغنی جی خاں صاحب نے ۶ دسمبر ۱۹۷۷ء کو صحافیوں کو اپنے گھر پر ایٹ بم دیا۔ عمدہ قسم کے فوٹو کتا سے لوانا، ضلعی صدر آغا اوجان بھی موجود تھے۔ آغا صاحب کو پریس سے شکایت ہے کہ وہ انہیں مناسب کورٹج نہیں دینا جب انہیں بتایا گیا کہ ان کی جانب سے پریس کو کبھی کوئی مواد نہیں دیا گیا تو ان کا جواب تھا کہ پریس کو خود ان کے پاس آنا چاہیے۔ مزید یہ کہ کربات ختم کر دی کہ انہیں اس کی زیادہ فکر نہیں ہے۔ بل جب ان کی پارٹی اقتدار حاصل کر لے گی تو صحافی خود ہی ان کے گرد چکر کھائیں گے۔ عبدالغنی جی خاں نے بتایا کہ اصغر خاں آئندہ سال جنوری میں سندھ کا تفصیلی دورہ کریں گے۔ ان کے دورے کے انتظامات کے لئے وہ مار دسمبر سے حیدر آباد ڈسٹرکٹ کا پندرہ روزہ تفصیلی دورہ شروع کرنے والے ہیں۔

سب سے شہری علاقے و درجہ دیکر بنیادی ضرورت بجلی سے محروم ہیں۔ کسری، مگر کوٹ، ڈیپلو وغیرہ میں جرنیل کے ذریعے بجلی سپلائی کی جاتی ہے۔ لوڈ زیادہ ہونے کے سبب روشنی کم ہوتی ہے اور ہنگامی بھی پڑتی ہے۔ کسری میں ایک گھر پولیٹکشن کے لئے پانچ سو روپے ڈیپانٹ اور ۹۰ پیسے فی یونٹ کے حساب سے بجلی سپلائی کی جاتی ہے۔ جن علاقوں میں گرڈ اسٹیشنوں سے بجلی فراہم کی جاتی ہے۔ وہاں کنکشن کاھول جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ میٹر کی سرکاری قیمت ۳۴ روپے ۶۰ پیسے ہے جب کہ صاف سے ۱۵۰ روپے لیتے جاتے ہیں۔ یہ زائد رقم محکم کے حکام اور اہل کاروں کی جیب میں چلی جاتی ہے۔ اور اگر بجلی کسی گھر میں مطلوب ہو تو عوام کو زیادہ سے منظور نہیں ملے گی کہ یہاں تولا ش جاتے ہیں۔ کبھی میٹر کے نہ ہونے کا ردنا رویا جاتا ہے لیکن اگر کبھی گرم کر دی جاتے۔ تو نہ منظوری کی ضرورت پڑتی ہے۔

سامارو کے شہری علاقے سے لئے بجلی کی سپلائی کا منصوبہ ۱۹۶۶ء میں منظور ہوا۔ مبینہ طور پر بتایا جاتا ہے کہ محکمے کے کاغذات پر ظاہر کیا گیا کہ بجلی جرنیل کے ذریعے ہتھیائی

جاری ہے جب کہ حقیقت یہ تھی کہ گرڈ لائن کی بجلی سپلائی کی گئی تھی۔ کچھ عرصے قبل محکمے کے ریکارڈ پر درج کیا گیا ہے کہ سامارو میں گرڈ اسٹیشن سے بجلی کی سپلائی شروع کر دی گئی ہے جب کہ سامارو کا جرنیل ڈیپو منتقل کر دیا گیا ہے جب کہ سامارو میں جرنیل رکایا نہیں گیا تھا اور اس کے اخراجات محکمے کے اہل کار بھرم کرتے رہے۔ انفرس واپٹا میں لوٹ کھسوٹ عروج پر ہے۔ پھر یاد کر کے زیادہ تر علاقے بجلی سے محروم ہیں۔

ان دنوں خبر گرم ہے کہ "ساسو" کو ختم کیا جا رہا ہے اور "ساسو" کا اسٹاک بھی "اینگرو" ڈیلروں کے حوالے کیا جائے گا۔ بلاشبہ گذشتہ برسوں سے "ساسو" کی کارکردگی بہتر نہیں تھی۔ "اینگرو" کھاد کے ڈیلروں کے مقابلے میں "ساسو" کا اسٹاک عام بیوپاری طبقے کے ہاتھ میں ہے اور کسان وقت ضرورت نسبتاً آسانی سے کھاد تعلقات کی بنا پر بیوپاریوں سے حاصل کر لیتا ہے جب کہ "اینگرو" کے ڈیلر چند گنے چنے اور ہر شہر میں ایک یا دو سے زائد نہیں ہیں۔ "اینگرو" کی بلیک مارکیٹنگ حد درجے سے تجاوز کر جاتی ہے اور اگر "ساسو" کو ختم کر کے "اینگرو" ڈیلروں کے

حوالے کر دیا جاتا ہے تو یہ کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کی بدقسمتی ہوگی کیونکہ پھر کھلے عام کھاد بلیک میں فروخت ہوگی اور پھر یہ چند ایسٹ گروڈ پولیروں کے لئے آسانی ہوگی کہ وہ من مانے دام وصول کریں اور من مانی کریں۔ لہذا کھاد کو چند ہاتھوں میں جانے سے روکنے کے لئے اقدامات کرنے ضروری ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو کسانوں کے لئے نئی شکایت ابھر کر سامنے آسکتی ہیں اور سرمایہ دار اور زیادہ دولت جمع کر سکتے ہیں کا یہاب ہو جائیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ "ساسو" کو برقرار رکھا جائے اور کوشش کی جائے کہ اچھے اور ایماندار لوگوں کے ہاتھ میں "ساسو" کا لاہور چل سکے۔

میرپور خاص میں ۲ دسمبر ۱۹۷۷ء کو اصغر خان وارڈ ہوتے پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور شکایت کی کہ انہیں سابقہ دور میں اندرون سندھ کے عوام سے رابطے کا موقع نہیں دیا گیا۔ دورہ تحریک استقلال سندھ میں بہت سے افراد شامل ہو جائیں گے۔ اصغر خان نے اپنی پارٹی کے اہم کارکنوں کے ایک اجلاس میں کہا کہ وہ ضلع میں پیپلز پارٹی کے باغی اور بے دلی کارکنوں اور لیڈروں سے رابطہ قائم کریں اور انہیں آمادہ کریں کہ وہ تحریک میں شامل ہوں۔

اقتدار سے علیحدگی نے پیپلز پارٹی کو حیاتِ نوبختی بڑھ

ہی سٹر جانناز پابند سلاسل کر دیتے گئے اور ہفت روزہ بند کر دیا گیا۔ اپریل ۱۹۷۶ء میں ہفت روزہ "تلوار" نکالا۔ جو جنوری ۱۹۷۷ء میں بند ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ٹی بی ٹی کے میں کسٹوں میں کام شروع کیا۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی نے انہیں ٹی بی ٹی ٹکے سے صوبائی اسمبلی کا ٹکٹ دیا لیکن ۱۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کو مارشل لا کے حکم ۱۳۰ کے تحت گرفتار کر لئے گئے اور یکم اکتوبر کو ضمانت پر رہا ہوئے۔ گذشتہ دنوں میں ٹی بی ٹی ٹکے جالے کا اتفاق ہوا۔ سٹر جانناز سے ملاقات ہوئی۔ سیاست اور موجودہ صورت حال پر ان سے جو گفتگو ہوئی وہ درج ذیل ہے۔

الف: بپ کے خیال میں پیپلز پارٹی کے زوال اور اقتدار سے بڑھتی کی کیا اسباب ہیں۔
جانناز: یہ سمجھنا کہ سند اقتدار سے علیحدگی کے بعد پیپلز پارٹی زوال پذیر ہو چکی ہے غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے

جانب غیاث الدین جانناز پنجاب کے ممتاز کسان رہنما ہیں۔ ذریعہ معاش صحافت ہے۔ روزنامہ مساوات کے نام سے کاروبار کی تنظیم "مساوات کارپوریشن" یونین پاکستان کے بانی صدر ہیں۔ موصوت گذشتہ ۲۶ سال سے وطن عزیز کی ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہیں۔ ایک زمانے میں نیپ (بھاشانی) کے دکن تھے اور مرکزی کونسل کے ممبر تھے۔ پھر پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ اور ۱۹۷۲ء میں پنجاب پیپلز کسان کمیٹی کے نام سے ایک تنظیم بنائی۔ اس تنظیم کا مقصد کسانوں کو تنظیم کرنا امداد کے حقوق کے لئے جدوجہد کرنا تھا۔ جب اس تنظیم کی شاخیں صوبے کے تمام اضلاع میں قائم ہو گئیں تو اسباب اقتدار کا عتاب نازل ہوا۔ پیپلز پارٹی کے ممتاز رہنما ہونے کے باوجود ایک مرتبہ نہیں تین بار گرفتار ہوئے۔ دسمبر ۱۹۷۵ء میں لاہور سے ہفت روزہ "سنگرام" کا اجرا کیا۔ اس جریدے کی اشاعت کے لئے ساتویں ہفتے

غیاث الدین جانناز کا انٹرویو
فاروقی طرے

تحریکِ حلانے کے لئے کارکن تیار بعض رہنماؤں کا انکار



حبیب بھاری ہر توجہ میں
تمام سپہیتیں مل جاتی ہیں

کراتہ ارکا دور ختم ہونے کے بعد پارٹی میں جان پڑی وہ زندہ
ہوئی۔ اور اب تو اس کے عروج کے دن ہیں۔ آج ستر بھٹو
دیہی عوام میں پہلے سے زیادہ مقبول ہیں۔ جیل یا تار کے بعد میں
دیہات میں گیا تھا۔ کسانوں سے ملاقاتیں کیں۔ یہ غریب کسان
اور کاشت کار سپیلز پارٹی اور ستر بھٹو کو کتنا چاہتے ہیں؟
کاش ہماری پارٹی اس کا صحیح ادراک کر سکے۔ انہیں منظم اور
متحرک کر سکے۔ تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی سپیلز پارٹی
کو اقتدار میں آنے سے نہیں روک سکتی۔ لیکن منظم کون کرے؟
عہدیدار دیہی پرانے ہیں۔ جو لوٹ کھسوٹ کرتے رہے۔ پارٹی
کے امیدواروں کی اکثریت بغیر جدوجہد کے اسمبلیوں میں
جانا چاہتی ہے۔ البتہ کارکن اور عوام جدوجہد کے لئے تیار
ہیں۔ لیکن وہ بے بس اور مجبور بنا دیئے گئے ہیں۔ نامزد قیادت
کی اکثریت جدوجہد اور تحریک سے فراہم چاہتی ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ کچھ رہنماؤں کی طبقاتی سوچ یہ ہو کہ اگر دیہی عوام اور شہری
حزب کش منظم نہ کرے تو پارٹی کے اقتدار میں آنے کے بعد
وہ ستر بھٹو کو اپنی گرفت میں لے لیں گے اور استحصالی طبقوں
اور ان کے پشت پناہوں کے لئے "مصیبت" بن جائیں گے
البتہ پارٹی اس وقت رو بہ لغال تھی، جب اس کی حکومت تھی
جہاں تک اقتدار سے برطرف کا تعلق ہے اس کے
متعدد اسباب ہیں۔ اقتدار میں آنے کے بعد ہم نے ساڑھے
پانچ سال تک پارٹی پر کوئی توجہ نہیں دی، اسے منظم نہیں کیا۔
اور لوگوں کو شاہی پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کے ذریعے حکومت
چلائی اور اسی لوگوں کو شاہی کے بل پر زے ہمارے خلاف
"دعویٰ معاف گواہ" بن گئے ہیں۔ دور اقتدار میں ہم نے سامراج
کے خلاف آواز نہ بھولی، عوام "سامراج مردہ باد" کا نعرہ

دور اقتدار میں سپیلز پارٹی عوام سے کٹ گئی تھی

مگر رکھتو غائب مجھے اس تلخ نوائے سے معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے
اور یہ درد سوا اس لئے ہے کہ جب میں یہ دیکھتا ہوں
کہ جس پارٹی اور جس قائد نے صرف دو سال کی فتنہ بدلت
میں امریکی سامراج کے حاشیہ بردار اور فری آمر الیوب خان
کا تختہ الٹ دیا اور بوشلٹ پروگرام کے کرب مر قراہ آئی۔
لیکن ساڑھے پانچ سال کے بعد جب اس نے "سامراجی
سازش" کی دہائی دی تو عوام میں رد عمل نہیں ہوا۔
الفتح سپیلز پارٹی کے دور اقتدار کی پالیسیوں اور
واقعات کے پیش نظر کسان، مزدور اور ترقی پسند دانشور
ستر بھٹو اور ان کی پارٹی پر کینہ و کراہت کر سکتے ہیں۔ اور
ستر بھٹو کی جاگیر دارانہ قیادت کیسے پاکستانی انقلاب کو
آگے بڑھا سکتی ہے؟
جاننا: کسان، مزدور یا ترقی پسند دانشور اگر
سروسٹ ستر بھٹو پر اعتماد کریں تو کچھ کس پر کریں۔ کب
پی این اے کی مذہبی اور جاگیر دارانہ قیادت پر یا سرمایہ دارانہ
کے ایجنٹ اصغر خان پر اعتماد کریں، پی این اے اور تحریک
استقلال اگرچہ اقتدار میں نہیں ہیں لیکن انہوں نے ابھی سے
کسانوں، مزدوروں کے مفادات، ترقی پسند اور انقلابی نظریات

سیاسی افق پر سپیلز پارٹی، پی این اے اور تحریک استقلال
میں عوام کی اکثریت سپیلز پارٹی کے ساتھ ہے۔ یہ ایک
معروضی حقیقت ہے۔ اسے تسلیم کرنا چاہیے۔ عوام سپیلز پارٹی
کو برسر اقتدار لانا چاہتے ہیں۔ عوام کا سیاسی شعور بڑھ
چکا ہے۔ اگر سپیلز پارٹی نے انہیں پھر دھوکہ دیا تو یقیناً
مستقبل قریب میں تیسری قوت ایک منظم صورت میں اُبھرے
گی۔ علاوہ ازیں ترقی پسند عناصر اگر آج ستر بھٹو کی حمایت
کریں تو وہ کم از کم عوام میں اپنی جگہ تو بنائیں گے۔

الفتح سپیلز پارٹی میں گروہ بندی کی باتیں زبان زد
خاص و عام ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
جاننا: گروہ بندی انہوں کی اور ہوتی بھی چاہئیں۔
اس سے پارٹی کو تقویت ملے گی۔ اصلی لوگ رہ جائیں گے اور
جعلی چلے جائیں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر پارٹی میں گروہ بندی
ہے تو کیا اس کے حامی عوام بھی گروہ بندی کا شکار ہیں۔
میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ عوام بھٹو کے ساتھ ہیں۔ اور
بھٹو کے علاوہ وہ کسی کو اپنا قائد نہیں مانتے۔ وہ متحد ہیں۔
ایسے حالات میں اگر کوئی پارٹی میں انتشار پھیلاتا ہے تو وہ
اپنی سیاسی موت خود مر جائے گا۔ اس وقت عوام کو منظم
کرنا بہت ضروری ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ گہر فتنہ بھٹو کو
صنعتی بحقیق اور دیہات کی سطح کی تمام تنظیمیں خود قائم
کرنے کی کال دینی چاہیے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ مفادات پرست
خود بخود پیچھے ہٹ جائیں گے اور مخلص کارکنوں کو آگے
آنے کا موقع ملے گا۔

الفتح: موجودہ صورت حال کے بارے میں آپ کی
راے کیا ہے؟

جاننا: انتخابات میں تاخیر قومی کونسلین ترین
بننا یہی ہے۔ انتشار جنوں بڑھے گا توں توں میری
مداخلت کے احکامات بڑھتے چلے جائیں گے۔ وقت کا
تقاضا ہے کہ سخت کش عوام کسان، مزدور چھوٹے دکاندار
دانشور اور طلباء متحد ہو کر جدوجہد کریں۔ تاکہ نظام طبقات
کوان کے حقوق اور قحطی محنتی مل سکے۔ نیم نوآبادیاتی اور
نیم جاگیر دارانہ سیاست، معیشت اور ثقافت کا خاتمہ
ہو سکے اور پاکستان میں عوامی جمہوریت قائم ہو سکے۔

الفتح: اس مرتبہ جیل میں آپ کے روز و شب کیسے گذرے؟
جاننا: فیصل آباد کی ڈسٹرکٹ جیل تو ایک طرح کا
نور کا سیمپ ہے۔ اگر آپ کی جیب بھاری ہے تو جیل میں
اچھی گذرتی ہے لیکن اگر جیب خالی ہے جیسا کہ میری تھی تو
(ابنے صفحہ ۳۰ پر)

نوکھ شاہی، بھٹو کے خلاف سلطانی گواہ بن گئی ہے

کے خلاف محاذ کھول دیا ہے۔ جھلک رہے ہیں۔ یہ نظام مصطفیٰ
کے نام پر انکسار کا نظام پاکستان پر مسلط کرنا چاہتے
ہیں۔ ٹھیک ہے کہ ستر بھٹو جاگیر دار ہیں۔ جاگیر دارانہ طبقہ
مزاج رکھتے ہیں لیکن انہیں یہ کیریڈر تو دیکھ کر انہوں نے
غریب عوام خصوصاً کسانوں میں شعور پیدا کیا۔ انہیں جدوجہد
کا راستہ دکھایا۔ یہ درست ہے کہ برسر اقتدار آنے کے
بعد سپیلز پارٹی نے اکثریت کے مفادات کو نظر انداز کر دیا لیکن
ابھی تک ملک میں تیسری قوت منظم صورت میں موجود نہیں ہے

بھول گئے۔ حالانکہ پاکستانی عوام کا دشمن بڑا ایک امریکی
سامراج ہے۔ سی آئی اے نے ستر بھٹو کے گرد نوکھ شاہی کا
حصان قائم کر دیا اور ستر بھٹو عوام سے کٹ گئے۔ نوکھ شاہی
نے جو عالمی سامراج کی گمشدہ ہے اور جاگیر داروں اور
سرمایہ داروں کے مفادات کی محافظ سازشیں کیں یہ سچ
ہوتا رہا۔ کھلے عام ہوتا رہا۔ لیکن ان سازشوں کا نتیجہ نہیں
کیا گیا عوام کو اعتماد میں نہیں لیا گیا لیکن جب سامراج کا پارٹی
پر عتاب نازل ہوا تو ہم "سامراجی سازش" کی دہائی دینے لگے



حاجی امان اللہ

جدوجہد جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ ۲۰ دسمبر کو بعد نماز جمعہ آستانہ صابریہ کچا شیخ پورہ مسجد پر کارکنوں نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور چیرمین بھٹو کی دوازی عمر اور رہائی کے لئے دعائیں مانگی گئیں۔
قومی اتحاد والے پہلے تو سپیلز پارٹی کے پیچھے لٹھ لے کر

اسلمہ اور بامد مدح کیا تھا جس کا بدترجی ثبوت ملتا جا رہا ہے۔ پچھلے دنوں پولیس نے محلہ خدیوہ میں مقیم محمد لوٹا بھٹو کے مکان پر چھاپہ مار کر بارہ عدد دستی بم برآمد کر لئے مداخلت ریف محمد لوٹا قومی اتحاد کا انتہائی سرگرم کارکن ہے معلوم ہوا ہے کہ محلوں کا ذخیرہ اس لئے جمع کیا گیا تھا کہ سپیلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کے گھروں کو دھماکے سے اڑا دیا جائے۔ سپیلز پارٹی کے کارکنوں اور مقامی عہدیداروں نے درگاہوں اور مزاروں پر جرجہ ہو کر قرآن خوانی کی اور چیرمین

۲۹ نومبر کی بات ہے۔ محلہ فیصل آباد (سابقہ کرشن نگر) کی گلی نمبر ۱ میں واقع مسجد کے خطیب اور امام مولانا محمد صابر صدیقی ساڑھے تین بجے عصر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ اچانک جگت اسلامی کے کارکن حافظ اسماعیل محمد کی قیادت میں قومی اتحاد کے کارکنوں نے امام اور مبلغین پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں کئی افراد شدید زخمی ہو گئے۔ بعد ازاں حملہ آوروں نے تھانے میں اٹھا امام مسجد اور تین غازیوں کے خلاف رپورٹ درج کروادی مولانا صابر صدیقی اور غازیوں کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۲۴ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ اگلے روز انہیں رہائی ملی اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ مارچ کی تحریک کے دوران سپیلز

سپیلز پارٹی کے حاجی امان اللہ کی رہائش گاہ پر قرآن خوانی



حلقہ ۱۵۱ دین نگر دوڑ پاکستان سپیلز پارٹی کے کارکن قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں

پڑے تھے۔ اب تحریک استقلال کے پیچھے ہو ہو کر دوڑ پڑے ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ تحریک آگے آگے اور اتحاد پیچھے پیچھے۔ دونوں فریقوں کے رہنما جی محفلوں میں ایک دوسرے کے خلاف زیر انگل رہے ہیں۔ ۲۰ نومبر کو صوفی گوجر افراد آتے تھے۔ ان کی آمد کے بعد سے قومی اتحاد اور تحریک استقلال کی مخالفت زور پکڑ رہی ہے۔ کلنگ جو کارکن کندھے سے کندھا ملاتے سپیلز پارٹی کی حکومت کے خلاف صف آرا تھے۔ آج ایک دوسرے کے خلاف سینہ سپر ہیں کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ اقتدار بڑی چیز ہے۔

آٹے کی قلت تماشہ دکھا رہی ہے۔ پوری خلقت پریشان ہے۔ آٹے کی کیا یقیناً اس کے نرخ میں اضافہ کا سبب بنے گی سرکاری حکام نے کوٹے میں کمی کر دی ہے

بھٹو کی رہائی کی دعائیں مانگیں۔ ۲۷ اکتوبر کو دنیا بھر دو حلقہ نمبر ۱۱ کے سیکرٹری جمید شاد کے مکان پر قرآن خوانی ہوئی۔ اگلے جمعہ کو گوندالہ روڈ پر ایک بزرگ کے مزار پر قرآن خوانی کی گئی۔ ۲۵ نومبر کو حاجی امان اللہ کی اپنی پر بعد نماز جمعہ بابا غلام جیلانی کے مزار پر کارکن جمع ہوئے کارکنوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اگرچہ پولیس نے گھیراؤ بھی کیا لیکن گرفتاری کی نوبت نہیں آئی۔ البتہ اگلے روز انتظامیہ نے تمام سیاسی رہنماؤں کو بلا کر مارشل لا ضابطہ کو بلند آواز سے سناسکر یہ بتانے کی کوشش کی کہ یہ سرگرمیاں فوجی حکومت کے لئے ناقابل برداشت ہیں یہ انتباہ سپیلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کا حوصلہ پست نہ کر سکا۔ حاجی امان اللہ اور ان کے ساتھیوں نے

پارٹی کی حکومت کے خلاف مسجد کو سیاسی اکھاڑ بنانے سے انکار کر دیا تھا۔ اتحاد والے مسجد کا لاڈ اسپیکر بھی استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اس پر اتحاد والوں نے مولانا پر الزام تھوپ دیا کہ وہ سپیلز پارٹی کے حامی ہیں۔ وہ کافی حصہ سے ان کے انتقام لینے کے ور پے تھے۔ چنانچہ ۲۹ نومبر کو جماعتی اور اتحاد کے دیگر کارکنوں نے امام مسجد پر اس وقت حملہ کر دیا جب وہ نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ تیرہ سال سے امام مسجد کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے امامت اور خطابت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس واقعہ سے محلہ فیصل آباد کے عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی ہے۔
تحریک کے وفد ان اتحاد والوں نے بڑے پیمانے پر

آزاد کشمیر

دولت مسندوں کو مقبوضہ کشمیر جانے کی اجازت، گزشتہ پندرہ روزوں میں

نذیر گیلانی

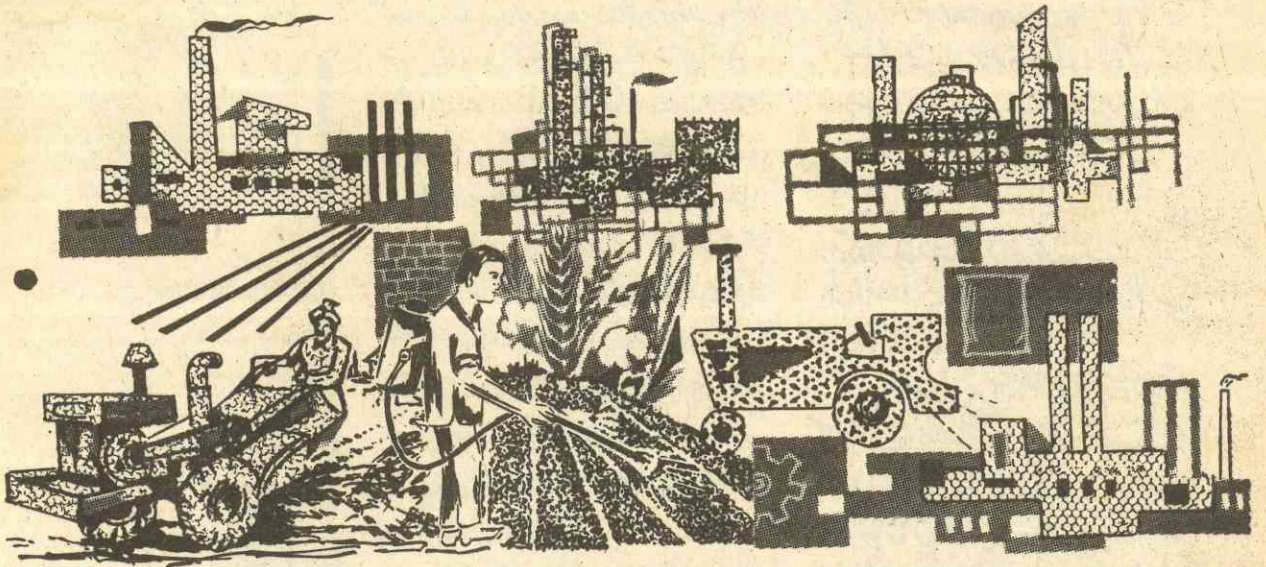
جنگلی جانوروں کے حقوق پر روشنی ڈالنا

موجودہ صدی کے شروع اور وسط کے انسان کو احساس
اور احترام کے عمل کی گردش نے اسے جنگلی جانوروں کی جانوریت
اور دیگر جانوروں کے حقوق پر روشنی ڈالنا اور تحفظ پر اکسایا۔
جنگلی جانوروں کے تحفظ کے سہتے اور آبی جانوروں کی پرورش
بحال رکھنے کے لیے شہر کی ترقی کے لیے اس نے حقوق کا
مساویانہ حقہ حیرات کے لیے ترتیب دیا۔ تہذیب، رحمتی،
غلبہ ساری، سائنس اور طب شہروں اور انسانوں سے گزرتے
گئے جنگلوں سمندر کی تہوں اور شہر کی غاروں تک پہنچنے لگی
مگر انہی بنیادی تحفظات کی بات جب کشمیر کے بارے میں
ہوتی تو سیاست آڑے آئی سیاست سے اہم چیز احترام
انسانیت ہے مسئلہ کشمیر انسانیت کے احترام اور
بنیادی حق کی بحالی سے متعلق ایک بہت بڑا جائزہ انسانی
مسئلہ ہے سیکولر بھارت نے کشمیر کے مسئلے کی بنیادی
اہمیت سمجھ کر مناسب حل کی رضامندی کا وعدہ کیا لیکن
بدقسمتی سے پاکستان کی سابقہ حکومتوں کی نااہلی نے اس
اہم نازک مسئلہ سے جو سیاسی جھگڑا پیدا کیا اس کو دیکھ کر
بھارت بھی تین تیرہ کرنے لگا۔

پاکستان کے حکمرانوں نے امتیاز اور تفریق کا ایسا ماحول
پیدا کیا کہ مسلم بنگالہم سے ناراض ہوا، کیونکہ وطنیت
اسلام اور حکومت کے واحد ٹھیکیدار حمران طبقات تھے۔
اس پالیسی کا انجام علیحدگی کی صورت میں برآمد ہوا مسئلہ کشمیر
سے بھی فحش برقی گئی۔ اسے سیاسی ہتھیار کے طور پر
استعمال کیا گیا لیکن اب یہ مسئلہ بھارت اور پاکستان کے
درمیان ایک سرحدی مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔ بھارت اور
پاکستان دونوں اسے اپنی دفاعی پوزیشن کے لیے اہم سمجھتے
ہیں۔ انسانی حقوق کی پامالی، حق خود ارادیت کی بحال اور
انسانی آزادی سے متعلق بنیادی حق کی بات کوئی نہیں کرتا۔
بھارت کا خالص اور انسانی اپروچ سے ہٹنا تو سمجھ آتا ہے
مگر پاکستانی حکومت کا خالص قابل اعتراض ہونا ایک المیہ ہے۔
بھارت سے پاکستان سمجھ یاتری آتے ہیں۔ پاکستان
سے لوگ جبر شریعت جاتے ہیں۔ بڑے خاندانوں کو خصوصی
اجازت نامے ملتے ہیں مگر کشمیری عوام کے آنے جانے پر توجہ
کی بے رحم پھری چلتی ہے۔ اسے ستم کہیں کہ مقبوضہ کشمیر سے
بااثر خاندان پاکستان خصوصی اجازت ناموں پر آتے ہیں
لیکن غریب مظلوم اور عام کشمیری اپنی تین تین نفیس دفنا بیٹھا
لیکن اجازت کا پروانہ اس کے لیے حرام ٹھہرا۔ اگر کشمیری
پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں تو ان کی زیادہ سے زیادہ

تعداد وہاں آتی چاہیے تاکہ میل ملاپ سے ان کا عزم
اور پختہ ہونے کے ساتھ کھلی فضاؤں میں وہ نیا سامان
کر سکے۔ اور اگر کشمیری جاسوس ہیں تو پھر بھارتی سکھ بھی تو
جاسوس ہو سکتے ہیں۔ اعلیٰ خاندانوں کے بااثر لوگ بھی تو
جاسوس ہو سکتے ہیں۔ اور پھر پاکستان کا اپنا مرقع کشمیری
پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں مگر در پرتابے کشمیری عوام
سکھوں سے کم تر ہیں، جاسوس ہیں یا کچھ اور ہیں یا نہیں
ہیں وہ انسان فزوں ہیں۔ عزیز و اقارب سے میل ایک
انسانی مسئلہ ہے۔ دکھ درد، شادی مرگ میں شمولیت
ایک انسانی تعاضل ہے۔

جاسوسوں کا پھر ڈالنا کشمیری عوام کے جبریت
کی تدبیر ہے اور یہ تحقیق ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے کشمیری
عوام کو اتنے سے عیب وطن نہیں۔ وہ ہندوؤں کی جائیدادوں
سے شیخ اور چوہدری نہیں بنے بلکہ اپنے آبائی گھر اور
خونی رشتے قربان کر بیٹھے ہیں یہ ہجرت ایک تید کا لوط
دھار گئی ہے۔ ماں سے ملنا گناہ، بیوی سے ملنا جرم،
آباد اجداد کی قبور پر جانا کفر۔ یہ زندہ قید انسانیت کے
منہ پر ایک طمانچہ ہے۔ ہاں کشمیر لویا کی اس آزادانہ
آمد و رفت سے بے شمار گھناؤنے چہرے بے نقاب
ہوں گے۔ کوتاہیوں کا دل ہی دل میں ذکر ہوگا۔ بارشیں اور
بے بیش لوگوں کے محاسبے کی راہ ہموار ہوگی۔ سچ کے
چہرے سے نقاب اٹھے گا۔ اور اس نقاب کو اب اٹھنا
بھی چاہیے۔ اگر پاکستان کے ادھار بنے کے بعد بھی جاسوس
اور غداروں کی فہرست مخفی رہے ہو تو پھر تاریخ کا فیصلہ
بے رحم اور غیر جانبدار ہوگا۔ کشمیری عوام ایک ملک کے
مالک ہیں وہ کرانے پر تے وفاداری کے طوطے نہیں البتہ
وفادار سپاہی طوطوں کی اصلیت سامنے ضرور آئے گی۔
ضرورت اس بات کی ہے کہ اس انسانی مسئلہ پر ہمدردانہ
غور ہو۔ اور اگر کشمیر لویا کی اکثریت اسے اپنے لیے سود مند
سمجھتی ہو تو اس کا احترام لازمی ہے۔ بھارت اور پاکستان کی
رضا اور انکار کا اس میں ذرہ برابر عمل دخل نہ ہو یہ اعتراض
کہ اس طرح بھارت آزاد کشمیر پر تابع ہو جائے گا ایک
خوش فہمی اور ذاتی راتے ہے۔ بشرق پاکستان کی کہانی
اس جواب کے لیے کافی ہے۔ وہاں بھارت نے کسی
اجازت نامے کا نام نہ نہیں اٹھایا بلکہ بنگالیوں کی مالوسی
سے بھر لیا۔ استفادہ کیا۔



نئی زرعی صنعتوں کی بدولت بہتر فصلیں اور دیہی آمدنی میں اضافہ ملتی آئی ایم کے کارہائے نمایاں

بی۔ آئی۔ ایم زرعی ترقی کے لئے ایک جامع اور موثر پروگرام پر پابند کار ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ زرعی پیداوار اور دیہی آمدنی دونوں میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ ملک کی معیشت میں خوراک کی پیداوار بڑھانے اور نقد فصل کی افزائش و ترقی کو ایک کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ مستقبل کے منصوبوں سے اور بہتر نتائج کی امید ہے۔

ملتان، میرپور ماہیلو اور ہزارہ میں کیمیاوی کھاد کے تین نئے کارخانوں سے مزید ۱۵ لاکھ ٹن کھاد ملنے لگی۔

آج دیہی علاقوں میں جگہ جگہ ٹریکٹر نظر آتے ہیں۔ اس وقت سالانہ پندرہ ہزار ٹریکٹر درآمد کئے جا رہے ہیں۔ ٹریکٹر کا ایک نیا کارخانہ بھی زیر تعمیر ہے جو ہر سال ساڑھے بارہ ہزار ٹریکٹر تیار کرے گا۔

گزشتہ سال چین سے ایک ہزار دوپیتے والے مشینی ہل (پاور ہلرز) درآمد کئے گئے جو ہمارے کاشتکاروں کیلئے بے حد کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ آبپاشی کے پمپ کی پیداوار میں بھی تسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح کیلے مار دو آؤں اور زراعت میں استعمال ہونی والی دوسری کیمیاوی اشیاء کی پیداوار بھی کافی بڑھ گئی ہے۔

بی۔ آئی۔ ایم ملک کے دیہی علاقوں کو ایک نیا روپ دینے کے عزم کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔

فیڈرل کیمیکل اینڈ سرملک کارپوریشن • فیڈرل لائٹ انجینئرنگ کارپوریشن • نیشنل ڈیزائن اینڈ ڈسٹریبل سروسز کارپوریشن • نیشنل فرٹیلائزر کارپوریشن آف پاکستان • پاکستان آئو مو بائیل کارپوریشن • پاکستان انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن • پاکستان اسٹیل ملز کارپوریشن • پاکستان ٹریکٹر کارپوریشن • اسٹیٹ سینٹ کارپوریشن آف پاکستان • اسٹیٹ ہیوی انجینئرنگ اینڈ مشین ٹول کارپوریشن • اسٹیٹ پٹرولیم ریفائننگ اینڈ پیٹرولیم کیمیکلز کارپوریشن۔

بورڈ آف انڈسٹریل مینیجمنٹ



عوام کی پکار سیرونی
خطرے کے ڈھول
کے شور میں دب گئی

ڈاکٹر مبشر حسن کے مضمون کے جواب میں جناب رسالہ حسین کا زیر نظر مضمون مروجہ تحریر سے ہٹا ہوا اور ایک حد تک تند و تیز ہے لیکن اس مضمون میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ اکثر نئی عقلوں میں ظاہر کئے جاتے رہے ہیں۔ ادارہ "الفج" فی الحال اس مضمون کے بارے میں اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے قارئین کے مطالعے اور تبصرے کے لئے پیش کر رہا ہے۔ ادارہ جناب رسالہ حسین صاحب سے معذرت خواہ ہے کہ مضمون میں بعض جگہوں پر لفظی رد و بدل کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ احتیاط بھی برقی ہے کہ الفاظ کی تبدیلی سے خیال متاثر نہ ہو۔ (ادارہ)

پنجابی مہاجر عوام بد حال جاگیر دار
سریہ دار اور نوکر شاہی خوشحال



حکمران
جنگلی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور
پٹھان کے نام
سے خوفزدہ کیوں ہیں؟



جنگ آزادی کے خاتمہ انگریزوں کے وفادار پاکستان کے حکمران

۱۸-۲۵ نومبر ۱۹۷۷ء کے "الفج" میں ڈاکٹر مبشر حسن صاحب کے مضمون سے پہلے کے ادارتی نوٹ میں لکھا گیا ہے کہ خلیات کے باوجود یہ مضمون غور و فکر کا متقاضی ہے۔ یہ بات درست ہے اور اس کی چار وجوہات ہیں۔
اول اس لئے کہ اس مضمون میں جس زاویہ نگاہ سے حالات کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے وہ کم و بیش وہی زاویہ نگاہ ہے جو پاکستان کے حکمرانوں نے پچھلے تیس برسوں میں اور خاص کر پہلے پچیس برسوں میں اپنائے رکھے ہیں۔ یہ بات اس لئے باعث حیرانی نہیں ہوتی چاہیے کہ آج کے دور میں یعنی بیسویں صدی کے اس اٹھویں دہائی میں عوامی ابھار کے زیر اثر جاگیردار اور سرمایہ داروں اور نظامہ اور نامنصفانہ نظام کے خلاف باتیں کرنا خود حکمرانوں اور جاگیرداروں اور اس نظامہ نظام کے محافظوں کا شیوہ بن چکا ہے۔
پچھلے چھ برسوں کی شہرہ بردار پالیسی حکومت نے اس ہتھیار کو عوام کے خلاف خوب استعمال کیا ہے۔ اس لئے یہ بات واضح ہے کہ کسی شخص کے نقطہ نظر اور سوچ کا اندازہ اس کے ان ترقی پسندانہ الفاظ کے بکثرت استعمال سے نہیں بلکہ ان نتائج سے لگایا جانا چاہیے جو اس کی سوچ یا تحریر سے شعوری یا غیر شعوری طور پر نکلتے ہیں۔

دوم اس لئے کہ حالات کو دیکھنے کے اس زاویہ نگاہ اور اس نقطہ نظر کی بڑی حمایت پنجاب سے کی جاتی رہی ہے۔ اس نظم کا ازالہ تو پنجابی عوام اپنے آئندہ عمل سے ہی کر سکیں گے جو نظر یا طور پر حکمرانوں کی سوچ کو رد کرنے کا آغاز پنجاب میں ہو چکا ہے چونکہ "الفج" نے نظریاتی بحث کا جرات مندانہ سلسلہ شروع کیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس پنجاب کی سوچ کو بھی منظر عام پر لایا جائے۔ اپنے

پہلے ظالم اور پھر متغیر ہو کر آئے مٹا دینے کو اپنی اصل شکل میں سامنے لایا جاتے تاکہ صحیح سوچ اور پاکستان کے دوسرے صوبوں کے عوام سے سچا اتحاد کرنے کے لئے کھڑا ہو رہا ہے۔
سوم، ڈاکٹر صاحب کا یہ مضمون چند ایک ایسے نامشخص تضادات کا شمار ہے جو مضمون کو ذرا گہری نظر سے دیکھنے سے واضح ہو جاتے ہیں۔
چہارم، اس مضمون میں سے اپنی پسند کے نتائج اخذ کرنے کے لئے حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی یا حقائق کو چھپانے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کی ہے۔ ضروری ہے کہ ان حقائق

لاحقہ ہے۔ ہندوستانی تو سب سے پسند سامراج اور اس کے دوسرے حاشیہ بردار ملک پاکستان کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ ان حالات میں ملک کا اندرونی انتشار و موجودہ حکمران ہندوستانی حملہ آوروں کو حملے کی دعوت دے سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس بحران کو ختم کر کے اندرونی استحکام حاصل کیا جائے تاکہ قومی بدخواہوں کے عزائم خاک میں ملا دیئے جائیں۔
پاکستان کے عوام نے یہ ملک آزادی انصاف اور خوشحالی کے لئے حاصل کیا تھا مگر جن طبقوں کیوں بنا؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں اپنے

حکمرانوں کے سیاسی و معاشی پس منظر پر ایک نظر ڈالنی ہوگی۔
پاکستان کے عوام نے یہ ملک آزادی انصاف اور خوشحالی کے لئے حاصل کیا تھا مگر جن طبقوں

کے ہاتھ میں اس ملک کی باگ ڈور آئی ان کے عزائم اس کے برعکس تھے۔ پاکستان کے حکمرانوں کا بڑا حوصلہ جاگیرداروں میں سے رہا ہے۔ یہ جاگیردار زیادہ تر وہ

تھے جن کے آباء اجداد نے ۱۸۵۷ء میں عوام کی جنگ آزادی سے غداری کرنے اور انگریزی سرکار کی کاسہ لمبی کے صلے میں جاگیریں حاصل کی تھیں یا پھر پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں اپنے ہم وطنوں کی جبری

سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی نمائندہ حکومت کسی ملک کی سالمیت کا آہستہ آہستہ نہیں کرتی

فرج بھرتی میں انگریزوں کی بھرپور امداد کے صلے میں یہ انعام پایا تھا۔ اس نے نہ تو اس طبقے نے انگریزوں سے آزادی کی کبھی خواہش کی تھی اور نہ اس کے بارے میں انہوں نے کبھی سوچا تھا۔ پاکستانی حکمرانوں کا دوسرا بڑا طبقہ اس انفرشیا ہی (بیرونی کرسی) کا تھا۔ جسے انگریز نے اپنے ہم وطنوں کو محکوم رکھنے اور مارنے کے لئے بھرتی کیا تھا۔ اس انفرشیا ہی کی منزل انگریز بنانا تھا اس لئے ظاہر ہے وہ دیسیوں کو اچھوت سے زیادہ کادرجہ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ مزید برآں اس انفرشیا ہی کا بڑا حقہ یوپی کا ہاجر تھا۔ پس اس طبقے کا اس زمین کے لوگوں سے نہ صرف طبقاتی بلکہ تھافتی تعلق بھی تھا۔

پاکستانی حکمرانوں کا تیسرا (مکڑا) دھڑلہ چھوٹا، حصہ ان سرمایہ داروں پر مشتمل تھا جس کو پاکستان بننے کی بہت خوشی تھی مگر محض اس لئے کہ اب اسے ہندو سرمایہ دار سے مقابلہ نہیں کرنا پڑے گا اور اب وہ اس ملک کے عوام کو لوٹنے کا واحد ٹھیکیدار ہوگا۔ ان سرمایہ داروں کا چھوٹا حصہ پنجاب سے مگر بڑا حصہ گجرات، بمبئی اور کاٹھیاواڑ سے تھا۔ پس اس طبقے کو بھی اس ملک کے مقابلے میں اپنی طبقاتی اور تھافتی "برتری" کا احساس تھا۔

یہ حکمران طبقے جن کا اس دھڑلے کے لوگوں سے کوئی رشتہ نہ تھا، آخر کس بنیاد پر اس ملک کے عوام کو خاموش اور بے عمل رہنے کی تلقین کرتے؟ آخر کس دلیل پر وہ عوام کو دکھ پہنچنے اور اپنی حالت پر تباہی کرنے پر مجبور کر کے یہ بنیاد پر یہ دلیل انہیں اس ڈھکے میں مل گئی کہ "پاکستان کی سالمیت اور بقا کو شدید خطرہ لاحق ہے" اس لئے خاموش رہو، اور احتجاج بند کرو۔ اور پھر ملکی سالمیت اور بیرونی خطرے کے ڈھول کو اتنا پیٹا گیا، اتنا پیٹا گیا کہ عوام کی ہر فریاد اور ہر پکار اس ڈھول کے شور میں دب جاتی۔ اس ملکی سالمیت کے ساتھ اسلام کی سالمیت اور ملک کو خطرے کے ساتھ اسلام کو خطرے کا تقی ہونا بھی لازمی تھا کیونکہ جس بنیاد پر ملک بنایا گیا وہ مذہب تھا۔ مگر عوام نے تو اس بنیاد کو آزادی انصاف

اور خوشحالی کا راستہ سمجھا تھا۔ انہوں نے مذہب کو ایک منصفانہ نظام کے طور پر قبول کیا تھا۔ اس کے برعکس حکمرانوں نے اس نعرے کی روح یعنی منصفانہ نظام کو تو خارج کر دیا۔ مگر جسم کو چوک پڑا نہ دیا۔ اور ساتھ یہ اعلان کر دیا کہ جو کوئی اس کی روح اور اس کے قاتل کی بابت پوچھے گا وہ ملکی سالمیت کا دشمن ہوگا اس طرح جب بھی عوام نے حکمرانوں کی لوٹ مار، ظلم اور جبر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو برا ملک اور مذہب کی سالمیت کے نام پر اس "انتشار" کو دبا دیا گیا کیونکہ بقول ڈاکٹر منشی صاحب "ملک کا داخلی بحران بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کی راہ میں بڑی طرح حائل ہوتا ہے۔" تاریخ شاہد ہے کہ اس ملک کے کئی بہترین فرزندوں کو اسی ملکی سالمیت اور بقا اور اندولنی استحکام کی سولی چڑھایا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بھارتی حکمران تو وسیع پسندانہ عزائم رکھتے ہیں۔ مگر وہ کون سا ملک ہے جس کے ظالم اور جابر حکمران طبقے تو وسیع پسندانہ عزائم نہیں رکھتے؟ کیا پاکستانی حکمران بھی "م" کی لال تلے پر چھٹنے کا ڈر ہے؟ اور "ک" کی انڈیا کے نعرے نہیں لگاتے رہے؟ کیا پاکستان کے حکمرانوں نے پرانے اسلامی بادشاہوں کے حملوں کو اپنے وسیع پسندانہ عزائم کے جواز کے طور پر پیش نہیں کیا؟ ہر ملک جس میں طبقاتی معاشرہ قائم ہے اور چند لٹیروں کی حکومت ہے، وہ لازمی طور پر وسیع پسندی کے عزائم رکھے گا کیونکہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی نمائندہ حکومت کبھی دوسرے ملک کی سالمیت کا احترام نہیں کر سکتی۔ اب سب صرف یہ ہے کہ کون سی حکومت اپنے وسیع پسندانہ عزائم کو عملی جامہ پہنانے کی عملی صلاحیت رکھتی ہے اور کون سی نہیں ہندوستانی حکمران اس میں کامیاب ہو گئے اور پاکستانی حکمران ناکام کیونکہ ہندوستانی حکمرانوں کے زیر تسلط ایک وسیع علاقہ اور عوام کی بڑی آبادی تھی لیکن سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندوستانی حکمران بھی اپنے عوام کو دبا دے رکھنے کے لئے بیرونی حملے اور ملکی سلامتی کا داگ مسلسل اپتے رہے ہیں۔ ہندوستانی حکمرانوں نے ہمیشہ کسی نہ کسی بہانے سے اپنے عوام کو اپنی وسیع پسندی میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح کبھی سکھ، کبھی بھٹیاں اور کبھی مشرقی بنگال پر

فرج کشی کر کے اپنے عوام کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح پاکستانی حکمرانوں نے کشمیر کے مسئلے کو اس مقصد کے لئے بہت استعمال کیا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کی طرف سے "ملکی سالمیت اور بیرونی خطرے کا ڈھنڈورا پیٹنے کی ایک اور وجہ تھی۔ اور وہ یہ کہ یہ حکمران اپنی سابقہ انگریز دوستی اور اپنے طبقاتی مفادات کے ہاتھوں اپنے عوام سے بہت خوفزدہ رہتے تھے۔ اس خوف کا واحد حل یہ تھا کہ ملک میں بدترین قسم کی آمریت قائم کی جائے۔ اس آمریت کے لئے لازمی تھا کہ ملک میں اتنا ہی طور پر مضبوط مرکز قائم کیا جائے اور صوبائی خود مختاری کو ختم کیا جائے تاکہ اختیارات زیادہ ہاتھوں میں تقسیم نہ ہوں اور خاص طور پر مقامی لوگوں کے ہاتھوں میں نہ آئیں۔ چنانچہ اس مضبوط مرکز کا جواز بھی ملک کی سالمیت اور بقا اور بیرونی خطرے "کو ہی بنایا گیا۔ کہا گیا کہ چونکہ ملک پر نازک وقت ہے اور اسے شدید بیرونی خطرہ درپیش ہے۔ ان حالات میں صوبائی خود مختاری ملک کو کمزور کرے گا اور بیرونی حملے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تمام ملک ایک مضبوط مرکز تلے جمع ہو جائے۔ مضبوط مرکز کا سب سے زیادہ نائدہ پنجاب اور کراچی کو ہوا۔ پنجابی ہاجر حکمرانوں نے اس انتظام اور سرکاری اداروں میں پنجابیوں اور ہاجروں کو کثیر تعداد میں شامل کیا۔ علاوہ ازیں ہاجروں کے آس گردہ نے جس نے اس ملک میں آئے ہی اپنی اچھی خاصی پوزیشن بنائی اور ان میں سے کچھ گروٹوں میں کھینٹنے لگے تو ان کے دل میں پاکستان کے لئے سخت شدت سے جاگی اور انہیں یہ وطن بہت پیارا لگا۔ اور اسلام بھی انہیں بہت پسند آیا جس کے طعنیل انہیں یہ دن دگنا بات ہو گئی۔ مال غنیمت ہاتھ لگا تھا اس پنجابی ہاجر حکمرانوں نے نے مشرقی پاکستان کو ہمیشہ اپنی نوآبادی سمجھا اور اس کا بے دریغ انحصار کیا جب یہ حکمران "وطن عزیز" کی اصطلاح استعمال کرتے تو اس سے پہلے مغربی پاکستان اور پھر پنجاب اور کراچی مراد دیتے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی تحریک میں سب سے زیادہ قربانیاں بنگالی عوام نے دیں مگر اب یہی ہمیشہ شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھے گئے اور ہمیشہ آدھے پاکستانی سمجھے گئے۔ مسلم لیگ کے حکمرانوں نے کامشقی پاکستان کی طرف یہ تعصب اور

استعمالی روئے پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی نمایاں ہونے لگا تھا۔ اس حکمران ٹوٹے نے مشرقی پاکستان کے غذائی مسئلے کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ ۱۹۵۲ء میں اور پھر ۱۹۵۶ء میں یہ اس قدر شدید ہو گیا کہ قحط کی صورت حال پیدا ہو گئی۔ اس کے ساتھ مشرقی پاکستان میں پنجابی / ہزاروں کی لگاتار ہوتی صنعتوں اور مغربی پاکستان کے صنعتی مال کی درآمدی وجہ سے بنگالی دیندار تباہ ہو گیا۔ حکمران ٹوٹے نے نہ صرف صوبے میں جگہ جگہ ہوتی صورت حال کی بہتری کے لئے کچھ نہ کیا بلکہ اپنے بڑھتے ہوئے فوجی اور انتظامی اخراجات پورے کرنے کے لئے ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا اور ٹیکس ریوینیو کے اس حصے پر بھی قبضہ کر لیا جو پہلے مقامی جٹ کے لئے مخصوص تھا۔ پیداوار کی صورت حال یہ تھی کہ لسمانگی اور غربت کے باوجود مشرقی پاکستان پورے مغربی پاکستان سے زیادہ زرمبادلہ کماتا تھا۔ مشرقی پاکستان کا بیرونی تجارت کا توازن مسلسل بڑھتا رہا جبکہ مغربی پاکستان نے خسارہ لکھا۔ اس خسارے کو مشرقی پاکستان کے اضافے سے پورا کیا۔ مغربی پاکستان نے مشرقی پاکستان سے کم درآمد کرتا تھا۔ درآمدات کا تقریباً ستر فیصد سالانہ بڑھ کر جاتا تھا اس کے ساتھ بیرونی تجارت سے جو زرمبادلہ ملتا۔ اسے مغربی پاکستان، خصوصاً پنجاب اور کراچی کی صنعتی ترقی کے لئے استعمال کیا گیا۔ پاکستانی ماہرین معاشیات کے غلط اندازے کے مطابق مشرقی پاکستان کے سالانہ تیس کروڑ روپے مغربی پاکستان پر خرچ کئے جاتے (یا دوسرے کیریئرس کو ڈر روپے ۱۹۵۰ء کی قیمتوں کے مطابق ہیں) ۱۹۵۸-۱۹۶۰ء کے دوران قریباً قریب مغربیوں کے لئے مخصوص کئے گئے۔ ایک ارب تیرہ کروڑ روپوں میں سے مشرقی پاکستان کے لئے صرف ۲۷ کروڑ روپے ۲۲۶۱ فیصد حصر رکھا گیا۔ ۱۹۶۸ء اور ۱۹۵۵ء کے درمیان مرکزی حکومت نے مغربی حصے کے لئے دس ارب روپیہ مخصوص کیا تو اس کے مقابلے میں مشرقی حصے کے لئے صرف ایک ارب چھپیس کروڑ روپے رکھے گئے۔ واصل پنجاب اور کراچی کا حکمران جاگیردار صنعتی سرمایہ دار ٹوٹے مشرقی پاکستان میں اپنا قریب ٹوٹے پیدا ہونے سے مسلسل خوفزدہ رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے یونٹ کھسٹ کے خلاف ہر عوامی ردِ عمل کو بے رحمی سے نچل دیا گیا اور یہ سب "ملکی سلامتی اور حب الوطنی کے تقاضوں" کو سامنے رکھتے ہوئے کیا گیا۔ اسی ملکی سلامتی اور اسلام کے تحفظ کو سامنے رکھتے ہوئے مئی ۱۹۵۲ء میں بنگالی عوام کی وہ نمائندہ حکومت توڑ دی گئی جو مسلم لیگ کو شکست دے کر

انتدار میں آئی تھی۔

ان حالات میں پنجابی ہاجر حکمران ٹوٹے کو "علاقہ پرستی" اور "صوبہ پرستی" کا خطرہ نظر آتا تو قریب تھا۔ اس علاقہ اور "صوبہ پرستی" میں انہیں "وطن عزیز" اور "اسلام" دونوں کو خطرہ نظر آتا تھا۔ یہاں بیانات یاد رکھنی چاہیے کہ اس یونٹ کھسٹ میں سب سے زیادہ حصہ پنجاب اور کراچی کو ملتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ جیہ کہ ہم نے بیان کیا، انتظامیہ اور تمام سرکاری اداروں میں بھی پنجابیوں اور ہزاروں کے بڑے حصے کو شامل کیا گیا۔ اس طرح سے پنجاب اور کراچی میں حکمرانوں کے لئے فضا ہوا تھی اور یہاں بھی کسی حد تک عوامی سطح پر دوسرے صوبوں کی "صوبہ پرستی" اور علاقہ پرستی کا خطرہ محسوس کیا جاتا تھا۔ کم از کم دوسرے صوبوں کے اپنے حقوق کے مطالبہ میں انہیں اپنی بد حالی نظر آتی تھی۔ وہاں بیانات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ پنجابی ہاجر عوام کی ساری آبادی خوشحالی اور آزادی سے

مضبوط مرکز کا

سب سے زیادہ فائدہ

پنجاب اور کراچی

کو ہوا !

آراستہ نہیں تھی۔ یہ بھی اپنے حکمرانوں کی لوٹ مار کا شکار ضرور تھی۔ مگر یہاں ہم مقابلہ بنائے ہوئے ہیں کہ ۱۹۵۲ء میں وہ صورت حال پیدا ہو گئی جب مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبوں میں عوامی احتجاج کافی بڑھنے لگا۔ اس سے بچنے کے لئے دن یونٹ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ اس دن یونٹ سے گویا ایک تیر سے دو شکار کئے گئے۔ اول تو مغربی حصے میں تمام صوبے براہ راست مرکز کے انتظامی کنٹرول میں آ گئے اور انہیں دیانا آسان ہو گیا۔ دوسرا دن یونٹ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کو دو مساوی یونٹ بنایا جائے اس طرح دو دہائیں، تین اور چار اور چار اور پانچ کو مساوی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۲ء کو محمد یوگم نے قوم سے خطاب میں دن یونٹ کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے کہا یہ اقدام "اسلام کی روح" کے عین مطابق

ہے کیونکہ اسلام "علاقائی خد بندوں پر یقین نہیں رکھتا" اور بوگرہ صاحب یہ قطعاً فراموش کر گئے کہ اس طرح تو پاکستان بنانا بھی اسلام کی روح کے منافی تھا۔ بوگرہ صاحب نے کہا کہ "ہمیں اپنے آپ کو بنگالی پنجابی اور سندھی سمجھنا چھوڑ دینا چاہیے۔ ہمیں اپنے آپ کو صرف مسلمان اور پاکستانی سمجھنا چاہیے۔" مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ صوبہ پرستی کے خطرات سے بخوبی آگاہ ہیں۔

بوگرہ صاحب کے ان الفاظ سننے اور پیچھے بیان کئے گئے حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے حکمران "پاکستانیت" "اسلام" "وطن پرستی" وغیرہ کے ڈھونگس کیوں رچاتے رہے ہیں اور بنگالی "سندھی پنجابی بلوچی اور پٹھان" کے نام سے کیوں خوفزدہ رہے ہیں اس پر دو پینکٹوں نے پنجاب پر اپنے مخصوص مفادات کی وجہ سے بہت اثر ڈھونڈا اور یوں پنجاب کو "اسلام" "نظریہ پاکستان" اور پاکستان کا منہ سمجھا جانے لگا اور پنجابی عوام کے خلاف باقی ملک کے عوام کی مخالفت بڑھنے لگی۔ خود ڈاکٹر صاحب اس سوچ کے اس حد تک شکار ہیں کہ صوبائی عصمت کا زبر اور صوبائی تعصبات جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کوئی بھیجک محسوس نہیں کرتے۔ جن کے نام پر اس ملک کے حکمرانوں نے عوام کو بے رحمی سے لوٹا اور ہر طرح کے تشدد کا نشانہ بنایا۔ ڈاکٹر صاحب اسے "زیادتیان" اور "الانسانیاں" کہتے ہیں۔ مگر سیاسی زبان میں اسے ظلم اور استحصال کہا جاتا ہے۔ اور پھر کیا محض "زیادتیوں" کا تسلیم کرنا کافی ہے جو کہ اندر کا گندھی نے بھی اپنے آئینہ دور صورت کے بارے میں تسلیم کی تھیں اور ڈاکٹر صاحب جانتے ہیں کہ اتنا تو بھٹو صاحب بھی تسلیم کرنے کو تیار ہیں مگر ایک طرف دوسرے علاقوں سے اصل حقوق کا نام نہ لینا اور قومی جبر و استحصال کو محض "زیادتیان" کہہ دینا اور دوسری طرف "بیرونی حملے" اور "ملکی سلامتی" کا ڈھول بٹینے سے ڈاکٹر صاحب کی اپنے آپ کو پاکستانی عوام کے دشمنوں سے الگ کر سکے ہیں؟ قطعاً نہیں ایک ایچ بھی نہیں

اسی وطن دوستی، حب الوطنی اور بیرونی خطرے سے بچاؤ اور اندرونی استحکام کے لئے دن یونٹ کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اس کھلی دھاندلی کے خلاف مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبوں خصوصاً سندھی عوام میں زبردست ردِ عمل ہوا جس کو دبانے کے لئے حکومت کو تشدد کرنا پڑا۔ اندلیہ شکار لوگ گرفتار کر لئے گئے۔ اس کے خلاف بولنا جرم

قرار دیا گیا اور تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی بنگالی سندھی، بلوچی یا پٹھان عوام نے اپنے علاقائی معاشی و سیاسی حقوق کا مطالبہ کیا، "بیر ذی خطر" کے نام پر انہیں پھلایا گیا اور انہیں علیحدگی پسند بھارتی ایجنٹ "اسلام دشمن" "انڈوسودیت لائی" اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہا گیا۔

ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب ریاستہائے ہند میں کون کون سے دوسرے صوبوں کو طاقت سے دہلے کا عمل تھا اور دوسری طرف اسے محض "زیادتیوں" کہہ کر اس کے اصل خرمات سے پردہ پوشی کرتے ہوئے "بیر ذی خطر" کا وہی لہرہ لگا رہے ہیں جو اس طاقت سے دہانے کے عمل کا نظریاتی جواز تھا کیا یہ محض غیر شعوری تضاد ہے؟ غالباً اس کا جواب نفی میں ہے۔

بنگال اور دوسرے چھوٹے صوبوں کے عوام کے ساتھ ہمارے محرکوں کا جو تشدد برپا تھا اور آخر کار بنگال میں اس کا رد عمل عوامی لیگ کی مکمل فتح کی صورت میں نکلا۔ عوامی لیگ مکمل صوبائی خود مختاری کے حق میں تھی۔ ظاہر ہے پاکستانی محرکوں کے لئے یہ موت کا پیغام تھا اس لئے

مجیب الرحمن پر "غدار" کا ٹھیکہ لگایا گیا۔ صوبائی خود مختاری کو اسلام دشمنی اور پاکستان دشمنی قرار دینے کا وسیع پروپیگنڈا شروع کیا گیا جس میں پہلے کی طرح جماعت اسلامی جیسی تمام رجعت پرست جماعتیں پیش پیش تھیں۔ ہمارے بائیں بازو کے دانشوروں نے جن میں ڈاکٹر صاحب بھی شامل ہیں اس عوامی تحریک کی اس لئے مخالفت کی کہ اس کی قیادت بورژوا کے ہاتھ میں ہے اور یوں دوسرے صوبوں کے عوام کی حب الوطنی اور ان کے غلط یا ٹھیک قرار دینے کی سابق بلا دست روایت قائم رکھی اس طرح سے پنجاب اور کراچی میں ایک شور مچا دیا اور بلا دستوں کو اپنے ۲۳ سالہ اقتدار کا خاتمہ تو ناظر آئے لگا چنانچہ ان محرکوں نے ایک بار پھر بنگالی عوام کے فیصلے کو رد کر دیا اور انہیں حکومت دینے سے انکار کر دیا اس طرح بنگالی عوام کے پاس آخر کار الگ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تو ان پر چڑھائی کی گئی۔ آہ۔ اس عظیم المیے کو اس وقت روکا نہ جاسکتا تھا۔ اور پھر بنگالی عوام نے تشدد اور ظلم کے وہ دن دیکھے جن کے تصور سے بدن کا پتہ ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب

دو تار خاک میں مل جانے پر فوج کٹاں ہیں۔ اگر اس "تاریخی شش" میں کامیابی ہو جاتی تو یقیناً ڈاکٹر صاحب خوش ہوتے کہ چلو کچھ "زیادتیوں" تو ہو گئیں مگر ملک اور فوج کا وقار اور عزت تو بچ گئی۔ ذرا ڈاکٹر صاحب کی اپنی حکمانہ سوچ ملاحظہ فرمائیے فرماتے ہیں "ہندوستان نے دسمبر میں ہزار سالہ جذبہ انتقام کی تسکین کے لئے پاکستان پر دھواں بول دیا۔ پاکستان کو فیصلہ کن شکست ہوئی اور ہمارے ستر ہزار فوجی دشمن کے تبدیلی بن گئے۔ پاکستانی عوام کی عزت کو دو خاک میں مل گئی اور عوام انسا دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، یقیناً ان دھاڑیں مار مار کر رونے والوں میں ڈاکٹر عبد شمس صاحب خود بھی شامل ہوں گے لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ وہ اس وقت کیوں نہ روئے جب شش پاکستان پر چڑھائی کی گئی تھی وہ بنگالی عوام کے خلاف فوجی کالعدمی کو "زیادتی" کہہ گئے ہوں گے مگر شکست پر دھاڑیں مارنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب یہ لکھتے وقت غالباً یہ بھول گئے کہ شکست پر دھاڑیں مار مار کر رونے والوں میں پنجاب اور کراچی کا وہی درمیانہ طبقہ تھا جس نے مارچ ۱۹۷۱ء میں چڑھائی کا اعلان سن کر غدار مجیب الرحمن مردہ باد اور تکیا خاں زندہ باد کے نعرے لگاتے تھے اس تو وسیع پسند جذبے کی شکست پر رونے والوں کو وہ سب کچھ بھول گیا جو بنگالی عوام کو پہلے ۲۳ برسوں میں اور پھر آخری ۹ مہینوں میں برداشت کرنا پڑا تھا۔ سیرون ملک تو وسیع پسندی کا اندرون ملک اظہارِ جبر کی شکل میں ہوتا ہے اسی لئے ڈاکٹر صاحب جبر کو محض "ان انصافی" کہتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ بھول کر وسیع پسندی اور اندرون ملک جبر دونوں ہمیشہ قومی سلامتی کے نام پر یہی کہتے گئے ہیں۔

ایک بات جو اکثر لوگوں کو سمجھ نہیں آتی وہ یہ ہے کہ ہندوستانی فوج نے پہلے حملہ کیوں نہ کیا اور نو جیسے انتظار کیوں کیا؟ بغیر ٹرے ہتھیار کیوں ڈالے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی حکمران اس بات پر راضی تھے کہ بنگالی عوام کی تحریک کو پکڑا جائے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ مشرقی پاکستان کے اندر لڑائی میں کیونسل طاقتور ہو رہے ہیں اور کیونسل پارٹی نے آزاد علاقے قائم کر لئے ہیں تو ہندوستانی فوج کو مداخلت کرنا پڑی یہ مداخلت دونوں طرف سے طے شدہ تھا کیونکہ پاکستان کی حکمرانوں نے بھی مشرقی پاکستان کو کیونسلوں کے ہاتھ میں دینے کے حق میں نہ تھا۔ انصافی طاقتوں کے خلاف اسی باہمی اتحاد

سازشوں سے جمہوریت کا راستہ روکا نہیں جاسکتا۔ سالار

ڈیرہ غازی خان
بشیر الامین سالاری

انہوں نے کہا کہ سیاسی شعور کی بیداری کے اعتبار سے پاکستانی عوام ۱۹۶۷ء کے مقابلے میں زیادہ باشعور ہیں اور عوام کا یہی سیاسی شعور اس بات کی ضمانت ہے کہ اب کسی اندرونی یا بیرونی سازش سے پاکستان میں جمہوریت کے دروازے کو زیادہ عرصہ تک بند نہیں جاسکتا۔ پیپلز پارٹی کو کمزور کرنے کے حربے دراصل پاکستان کے مظلوم عوام کی بیداری کو ختم کرنے کی ناکام کوشش ہے۔ بھٹو صاحب کی محبت و عقیدت کو کھیلے ہوئے عوام کے دلوں سے نکالا نہیں جاسکتا کیونکہ یہ کوئی جذباتی مسئلہ نہیں ہے بلکہ پیپلز پارٹی کے ان اقدامات کا نتیجہ ہے جو اس نے مظلوم عوام کو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کے خونی پنجوں سے چھڑانے کے لئے کیے تھے۔ جن کے نتیجے میں مغربی عوام سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہوئے۔ ان کی عزت نفس بحال ہوئی۔ اجلاس سے منظر اچھڑا لیا۔ انڈیکسٹ نے بھی خطاب کیا اور پارٹی کی دس سالہ عمارت پر روشنی ڈالی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے دسویں یوم تاسیس کے موقع پر پیپلز پارٹی ڈیرہ غازی خان کے مقامی کارکنوں نے اس عہد کی تجدیدی کردہ مسٹر بھٹو کی دولہہ انجمن قیادت میں پاکستان کے غریب محکوم الحال لوگوں کے حقوق کے لئے سامراجی طاقتوں اور ان کے کاسہ لیسوں سے جنگ کرتے رہیں گے اور اس عظیم مقصد کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ پیپلز پارٹی کے کارکنوں کا یہ اجتماع پارٹی کے مقامی دفتر میں منعقد ہوا۔ جہاں پارٹی کارکنوں کی کثیر تعداد کے علاوہ طالب علموں اور خواتین نے قرآن عرانی کی اور چترین بھٹو کی درازی عمر اور رہائی کے لئے دعائیں مانگیں۔ اس موقع پر پیپلز پارٹی ڈیرہ غازی خان کے صدر جناب بشیر الامین سالار نے کہا کہ پیپلز پارٹی کے لئے یہ بات قابل فخر ہے کہ استحصالی قوتوں سے خلاف پارٹی کی دس سالہ جدوجہد کے دوران ملک کے غریب عوام نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کو ہچکچاہٹ سے بچا رکھا ہے۔

حسن ناصر کا مشن مظلوم طبقات کا اتحاد اور جدوجہد

پیسپل لیبر فرنٹ راولپنڈی کے زیر اہتمام یوم حسن ناصر کے سلسلے میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت بزرگ انقلابی رہنما دادا امیر حیدر نے کی۔ اس تقریب میں دوسری قومی لیگ تنظیموں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ پیسپل لیبر فرنٹ کے سیکرٹری جنرل محمد لقمان مرزا، متحدہ مزدور اتحاد پروگریسو کے صدر بشارت اعوان، مزدور کسان پارٹی راولپنڈی کے صدر مختار انارکلی، ڈی پی ایچ کے سید مسعود حسن اور قومی اتحاد آزادی راولپنڈی کے کنوینر خواجہ محمد سلیم نے اظہار خیال کرتے ہوئے حسن ناصر شہید کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا۔ مقررین نے کہا کہ حسن ناصر شہید نے ایوب خاں کی

فوجی آمریت کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے سخت کشتوں کی سیاست کو آگے بڑھایا اور پاکستان کے غریب عوام کے خلاف امریکی سامراج سازشوں کو بے نقاب کیا جس کی پاداش میں شاہی قلعہ لاہور میں انہیں شہید کر دیا گیا۔ مقررین نے کہا کہ آج ہمارا ملک سیاسی معاشی بحران کا شکار ہے۔ افراط زر کی وجہ سے ہنگامی غریب عوام کی کمزوری ہے۔ آمریت کا دور دودھ پینے محنت کشوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ سامراجی طاقتیں پاکستان کے غریب عوام کا استحصال کرنے کے لئے سازشیں میں مصروف ہیں اس لئے ہم سامراج کے خلاف سامراجی طاقتوں کے قتل کی تحقیقات کرائی جلتے۔

کے خلاف سامراجی مفادات کا تحفظ کرنے والی سیاسی جماعتوں کے خلاف بھرپور جدوجہد کرنے کا عزم کرتے ہیں۔ صدر جلسہ دادا امیر حیدر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم حسن ناصر شہید کو خراج عقیدت اسی طرح پیش کر سکتے ہیں کہ اس کے نظریات کو آگے بڑھائیں۔ مزدور کسانوں اور غریب کو متحد کر کے استعمالی نظام کے خلاف جدوجہد کریں اور استحصال سے پاک معاشرے کا قیام عمل میں لائیں۔

آخر میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ شاہی قلعہ لاہور میں جس جگہ سیاسی قیدیوں کے لئے اذیت خانہ بنایا گیا۔ اس کی حیثیت کو فوری تبدیل کر کے یہاں کوئی دفاعی ادارہ قائم کیا جلتے مثلاً لاہور یا ہسپتال وغیرہ۔ نیز جس جگہ حسن ناصر کو شہید کیا گیا ہے وہاں حسن ناصر شہید کی یادگار قائم کی جلتے اور حسن ناصر کے قتل کی تحقیقات کرائی جلتے۔

کی وجہ سے پاکستانی حکمرانوں نے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیئے اور، ہزار فوجیوں کو قیدی بنانا منظور کر لیا۔ پاکستانی اور ہندوستانی حکمرانوں کی حیلہ بازی کی ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ ۱۹۷۱ء میں ہی جب بنگال میں فوجی کارروائی ہو رہی تھی۔ سیلون میں ایک زبردست انقلابی تحریک اٹھی جس سے وہاں کی حکومت خطرے میں پڑ گئی۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں نے سیلون کی حکومت کو فوجی امداد دی تاکہ انقلابی بغاوت کو کچلا جاسکے۔

ادباج بلوچستان میں وہی کہانی دہرائی گئی اور یہ کوئی اتفاق نہیں ہے کہ موجودہ صورت حال کے پورے تجزیے میں ڈاکٹر صاحب بلوچستان میں فوجی کارروائی کی مخالفت نہیں کر سکے۔ شاید اس لئے کہ یہ کارروائی بھی "ملکی استحکام کی خاطر اور وطن دشمنوں اور علیحدگی پسندوں کا خاتمہ کرنے کے لئے کی گئی"۔۔۔۔ اور ڈاکٹر صاحب تو اس حکومت کے ایک ستون وہ چکے ہیں جس نے بلوچستان اور سرحد کی چھوٹی حکومتوں کو توڑ دیا تھا۔ جمہوری حکومتوں کا خاتمہ اور فوجی کارروائی دونوں صوبائی عصبیت کا زہر ختم کرنے اور علاقائی تضادات کے عفریت ختم کرنے کے لئے کی گئی۔

پاکستانی حکمرانوں کی طرف سے "بیر دینی خطرے" اور "ملکی سالمیت" وغیرہ کا دایلا چمانے کی تیسری

بڑی وجہ یہ تھی کہ جبکہ ہم نے پیچھے بیان کیا ہے، ہمارے بیشتر حکمرانوں کا تاریخی اور ثقافتی اعتبار سے اس ملک کسی علاقے سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ وہ اپنے آپ کو ایک اقلیت اور بدیسی محسوس کرتے تھے۔ فوجی طور پر انگریز کے غلام تو تھے ہی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی حاکمیت کو مضبوط کرنے اور اپنے بدیسی ہونے کے سے احساس کو مٹانے کے لئے تمام ثقافتی اور طبقاتی تضادات کو مٹانے کا فلسفہ پیش کیا۔ اور اس کی بنیاد بھی بیر دینی خطرے پر ہی رکھی۔ یہ احمقانہ دلیل پیش کی گئی کہ "ہر لحاظ سے متحد قوم ہی بیر دینی دشمن کا مقابلہ کر سکتی ہے" اس لئے "ایک مذہب، ایک زبان اور ایک قوم" کا پرچار کر کے اسد کو قومی زبان قرار دیا گیا۔ اس "سیک" کے فلسفے کے لئے حب معمول وہ مذہب بھی لے آئے اور ثقافتی، صوبائی اور طبقاتی اختلافات کو مذہباً حرام قرار دیا۔ ہر حال اس سے ایک بات اور ظاہر ہوتی ہے کہ کوئی کارسرایہ دار اور افسر شاہی اپنے آپ کو ثقافتی اعتبار سے برتر سمجھتی تھی اور مقامی لوگوں سے گھل مل جانے سے نفرت کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس سرزمین کا ثقافتی تشخص ختم کرنے کی کوشش کی جو اس کے برعکس اپنا علیحدہ تشخص قطعی برقرار رکھا۔ اور اس کو اس طرح سب پر بٹھانے کی کوشش کی گئی کہ محض چند لاکھ کی زبان سات کروڑ

عوام پر مسلط کی گئی جب کہ ملک کے تقریباً ساڑھے تین کروڑ عوام کی زبان بنگالی تھی اور تقریباً پورے دو کروڑ عوام کی پنجابی۔ کیا بنگالی کو قومی زبان نہ بنایا جاسکتا تھا؟ مگر "بیر دینی خطرہ" تھا اور ایک مذہب ایک زبان ایک قوم کے لئے تھے "فلسفے کے آگے کون دم مار سکتا تھا۔ بنگالی عوام نے اس کھلی دھاندلی کے خلاف سب سے پہلے آواز بلند کی اور ۱۹۴۸ء میں اس کے خلاف احتجاجی تحریک اٹھی۔ اور درست طور پر کہا جاتا ہے کہ بنگلہ دیش کی بنیاد اسی دن پڑ گئی تھی، جس دن بنگالیوں کو بنگالی تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ بنگال ثقافتی طور پر ہندوستان کے چنانچہ ترقی یافتہ علاقوں میں شمار ہوتا تھا۔ ۱۹۵۲ء میں جب بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے اعلان کیا کہ اردو پاکستان کی واحد سرکاری زبان ہوگی اور خواجہ ناظم الدین نے اس کی حمایت کی تو طالب علموں نے ۲۱ فروری ۱۹۵۲ء کو ایک زبردست مظاہرہ کیا۔ پولیس نے گولی چلا دی جس سے ۲۶ شخص شہید اور چار سو کے قریب زخمی ہوئے۔ دراصل حکمرانوں کو شروع دن ہی سے اپنی آمریت کی راہ میں جو سب سے بڑا خطرہ نظر آتا تھا وہ صوبائی خود مختاری تھی۔ چنانچہ وہ سمجھتے تھے کہ مقامی زبانوں کی ترویج سے صوبائی خود مختاری کے مطالبے میں شدت آئے گی چنانچہ مضبوط مرکز کے لئے اردو ایک نظریاتی

ڈیم بن گیا، بستیاں اجرگین

ترسیلا ڈیم کے متاثرین کی اکثریت تو نقل مکانی کر کے پاکستان کے دیگر شہروں میں قوت آزمائی کر رہی ہے۔ البتہ ترسیلا سے نقل مکانی نہ کرنے والوں کے لئے حکومت نے تین بستیاں بسائی تھیں نیو در بند (ایر تھنادل) تحصیل مانسہرہ کھلاٹ تحصیل ہری پور اور کالانڈرہ تحصیل ہری پور۔

نیو در بند آبادی شب کی منصوبہ بندی کے وقت حکومت نے بہت ہی خوشنما وعدے کئے تھے جن میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوا۔ ترسیلا ڈیم نے سب سے پہلے اس علاقے کی واحد سرک کو نگلا اور حکومت نیو در بند کے باسیوں کے لئے آج تک متبادل مراکز تعمیر نہیں کر سکی جس کی وجہ سے جو سفر پہلے ایک گھنٹہ میں طے ہوتا تھا، سرک نہ ہونے کی وجہ سے ایک دن میں ہوتا ہے یہاں کے لوگ پہلے جو پانی پیتے تھے وہ براہ راست

دریائے سندھ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ چنانچہ صحت کے لئے اچھا ہوتا تھا لیکن اب پھیل گیا مسلمان کیا جاتا ہے جو طبی اعتبار سے مفید نہیں متعلقہ حکام پیسے کے پانی کی تلاش میں آتے دن سرورے کرتے ہیں لیکن حاصل کچھ نہیں ہوتا سول ہسپتال میں نہ ڈاکٹر ہے نہ لیڈی ڈاکٹر اور نہ ہی نچر خانہ۔ عمومی بیماری کے لئے ہری پور جانا پڑتا ہے جس میں نہ صرف وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ اخراجات بھی کافی آتے ہیں۔ یہاں کے مل اسکول کو ۱۹۶۳ء میں باقی اسکول کا درجہ دے دیا گیا۔ گراؤنگ تنک سائنس ماسٹر کا انتظام حکومت نہیں کر سکی چنانچہ اسکول میں سائنس کی تعلیم نہیں دی جاتی ٹیلی فون اور ٹیلی گرام کی سہولیتیں بھی ناپید ہیں۔ کیا ارباب اقتدار ان مسائل کی طرف توجہ دیں گے۔

بے بس ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد یعنی اگلے ہی صفحے پر فرماتے ہیں "حکمران طبقے جو تیس سال سے اپنی نالافتق اور نااہلی کے ثبوت فراہم کر رہے تھے، اب مکمل طور سے دیوالیہ ہو گئے ہیں۔ ان بد بختوں نے پاکستانی عوام کو نہ کبھی اشتیاق یا امدت کبھی ان پر بھروسہ کیا جب بھی اور جس قسم کی بھی شکل پڑی انہوں نے سامراجی حل کو پاکستانی حل پر ترجیح دی۔ سامراجیوں کو ایسے پھوٹا اللہ دے۔"

غالباً یہ تضاد اتنا واضح ہے کہ اس پر مزید تبصرے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں ایک ادب بات جو قابل ذکر ہے کہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں جب تک افواج پاکستان قائم ہیں ان میں حب الوطنی کا دلورہا باقی ہے اور پاکستان کے عوام کا افواج پر اعتماد ہے۔ اس وقت تک پاکستان میں ہندوستان کی پٹھو حکومت بنی ناممکن ہے۔ اور دوسری طرف انہوں نے ایوب خان کو امریکی ایجنٹ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایوب خان نے محض جاگیر دار شاہی اور سامراج کے مفادات کے لئے پاکستان کی قومی افواج کے وقار اور ان کی نیک نامی پر یہ دوسری بڑی ضرب لگائی تھی؟ اگلے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں۔ "عالمی سامراج کے رہنما امریکہ کی کوشش ہے کہ پاکستان کو بھارت کی غلامی میں دے دیا جائے۔ اب ڈاکٹر صاحب کا ذہنی انتشار ملاحظہ ہو کہ یہ بھی مان چکے ہیں کہ پاکستان کی حکمران امریکی سامراج کے پھوڑے ہیں۔ اور یہ بھی مان چکے ہیں کہ ایوب خان امریکی سازش کے تحت برسر اقتدار آیا تھا اور یہ اطمینان کا اظہار بھی کر چکے ہیں کہ پاک فوج کی حب الوطنی قائم ہونے کی وجہ سے پاکستان میں پٹھو حکومت قائم نہیں ہوتی۔"

ڈاکٹر صاحب کی سوجن کا یہ عجیب و غریب تضاد ہے یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ ریاستی اداروں کے تاریخی کردار کو یوں فروغ کیا جاتے۔ بہتر ہو گا کہ ڈاکٹر صاحب سماج کے ارتقاء پر کوئی چھوٹی سی کتاب لے کر پڑھیں کیونکہ آج کے حالات میں ہم یہ تفصیلاً بیان کرنے سے قاصر ہیں کہ مختلف ریاستی اداروں کا طبقاتی کردار کیا ہوتا ہے اور وہ کون سے طبقے کے مفادات کے محافظ ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب حب الوطنی کو بھی غالباً طبقات سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ وہ حکمران اور عوام، جاگیردار اور کسان، سرمایہ دار اور مزدور کی حب الوطنی میں کوئی تفریق کرنے سے قاصر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ تجزیہ غالباً سائنسی نقطہ نظر سے کیا ہے۔ مگر حقیقتاً یہ تجزیہ انتہائی خیالی

سکتا ہے مگر خیالی کام نہیں جو کہ ملک کے سادھے تین کروڑ عوام کی زبان ہے۔ اردو زبان کو سب سے زیادہ حمایت بھی پنجاب میں ملی۔ اور پچھلے دس ہونی وجوہات کی وجہ سے پنجابیوں نے اپنی زبان کو چھوڑنا قبول کر لیا اور حکمرانوں کے ساتھ مل کر دوسرے صوبوں سے بھی اپنی زبان اور ثقافت چھوڑنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ اب آئیے ان ناش ثنادات کی طرف جن سے ڈاکٹر صاحب کا مصغور ہوا پڑا ہے۔

ڈاکٹر صاحب مضمون کا آغاز اس بات سے کرتے ہیں کہ ملکی سلامتی کو بھارتی توسیع پسندوں اور سامراجیوں سے شدید خطرہ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح بھارتی توسیع پسند اور امریکی اور روسی سامراجی اور ان کے حاشیہ بردار ممالک پاکستان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں لیکن انہوں نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ "ہندوستانی اور سامراجی پاکستان میں پٹھو حکومت نہیں بناتے اور" جب تک پاکستان میں ہندوستان کی پٹھو حکومت قائم نہیں کی جاسکتی اس وقت تک افواج پاکستان کے کردار اور

ہتھیار تھا یہ ایک خالصتاً سامراجی ہتھکنڈہ تھا جس کے ذریعے ہمارے عوام کو اپنی تاریخ اپنی زبان اپنی ثقافت یعنی اپنی دھرتی سے کاٹنے کی کوشش کی گئی تاکہ یہاں کے عوام ذہنی غلامی میں پھنس جائیں اور وہ اپنے آقاؤں کی سامراجی نوازی پر اعتراض نہ کر سکیں۔ ان کی یہ کوشش تھی کہ عوام اپنے آقاؤں کی ہڈی اور گھٹو کو یاد کرتے رہ جائیں اور کبھی وارث شاہ خوشحال خاں خٹک، شاہ عبداللطیف بھٹائی یا راجندر ناتھ ٹیگور کو یاد نہ کریں اور یہ سب کچھ "بیرونی خطرے" "ملکی سلامتی" اور اسلام کے تحفظ کی خاطر کیا گیا۔ ظاہر ہے حکمرانوں کے ان اقدامات سے پاکستان میں ملاؤں کے حوصلے بڑھے اور صحیح پارٹیوں کو تقویت ملی۔

حکمرانوں کی اپنی حب الوطنی ملاحظہ ہو یہ خود انگریزی بولنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور یہ آج بھی اس ملک کی کسی زبان کو لب پر لانے کے قابل نہیں سمجھتے اور وہ ان زبانوں کو جاہلوں اور جاہلوروں کی زبان سمجھتے ہیں جن گھروں میں تیس برس قبل گجراتی بولی جاتی تھی وہاں آج بھی ویسے ہی گجراتی بولی جاتی ہے اور یہ کیسا ظلم ہے کہ گجراتی زبان کا اخبار تو مکمل

(IDEALIST) اور غیر طبقاتی سوچ کا منظر ہے۔ اسی لئے ڈاکٹر صاحب کی نظر میں گویا اس وقت پاکستان میں بسنے والے لوگوں بشمول حکمران طبقات اور عوام کے لئے حب الوطنی کے تقاضے ایک سے ہیں۔ اب بتائیے حب الوطنی کے اس تصور اور جماعت اسلامی کے حب الوطنی کے تصور میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ بد حالوں نا انصافیوں اور حکمران طبقوں کی نا انصافیوں کا رونما تو جماعت اسلامی بھی روتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب جواب دیں کہ کیا بلوچی عوام محبت وطن ہیں یا ان کے خلاف کارروائی کرنے والے؟ ڈاکٹر صاحب تو ان دایں بازوں کی پارٹیوں سے بھی پیچھے ہیں جنہوں نے بلوچستان سے فوج بلانے کا مطالبہ کیا تھا۔

اگلی تصویر ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں: "پاک وطن کہ ہندوستان کے سپرد کرنے کی خاطر ہمارے دشمنوں کے

لئے ضروری ہے کہ پاک انوار کی قوت سلب کی جائے۔ انتشار میں اضافہ کیا جاتے مختلف علاقوں اور مختلف طبقات کے لوگوں کو آپس میں اس طرح لڑا دیا جاتے کہ چھڑانا ناممکن ہو جائے" وغیرہ۔

کیا ڈاکٹر صاحب یہاں حب الوطنی کے نام پر "بیرونی خطرے" کے نام پر طبقاتی مفاہمت کی بات نہیں کر رہے؟ کیا بالکل اسی طرح بالکل اسی انداز میں پاکستان کے حکمرانوں نے اپنی لوٹ مار کے خلاف عوامی تحریک کو دبائے کی کوشش نہیں کی؟ انقلابی سائنس کا علم نہ جاننے والا بھی یہ جانتا ہے کہ امن و امان کس کے حق میں جاتا ہے اور انتشار سے ملک کے کون سے طبقے کو فائدہ پہنچتا ہے؟

مزید تضاد دیکھتے: "لکھتے ہیں: "پاکستان کے سامنے اس وقت سب سے اہم سوال یہ ہے کہ اس پاک وطن

پر ہندوستان کی بالادستی کے ناپاک سامراجی عزائم کا سد باب کرنے کے لئے کیا تدابیر کی جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ تیس سال میں ہمارے حکمرانوں کی مسلسل بد عملی اور ظالمانہ سیاسی معاشی اور معاشرتی نظام کی وجہ سے ہم دشمن کے منصوبوں کی تکمیل کے فیصلہ کن مقام پر پہنچے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

اگر پاکستانی عوام کا سب سے بنیادی تضاد ہندوستانی تو سلیع پسندوں کے ساتھ ہے تو کیا ہر ہے کہ باقی تمام تضادات اس بنیادی تضاد کے تابع ہوں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ پاکستانی عوام اپنے طبقاتی تضاد کو یعنی حکمران طبقوں کے ساتھ تضاد کو پس پشت ڈال دیں یا دم کر دیں۔ جب تک بنیادی تضاد یعنی ہندوستان کے کے ساتھ تضاد حل نہیں ہو جاتا۔ مگر ڈاکٹر صاحب کے بقول تو یہ تضاد پچھلے تیس سال سے ہے اس لئے ظاہر

ہندی، بہاؤ الدین • میان محمد شریف زاہد

دستکاری کا اسکول بنڈیسی سرگرمیوں سے پابندی اٹھانے کا مطالبہ

میونسپل ورکشپل سرٹیفکیٹ اسکول برائے خواتین منڈی بہاؤ الدین کی ہیڈ ماسٹریس نے ایک درخواست میں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے مطالبہ کیا ہے کہ بلدیہ نے اسے بلاوجہ ملازمت سے سبکدوش کر دیا اور محو مت کا منظر شدہ دستکاری اسکول بند کرنے کے ہزاروں روپے کا سامان دوپراپیٹ اسکولوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ انصاف کیا جاتے ہیڈ ماسٹریس نے اسکول کے دوبارہ اجراء اور اپنی ملازمت کی بحالی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہلے کہ اکتوبر ۱۹۷۲ء میں مارشل لا کے ضابطہ ۱۱۸ کے تحت جاری شدہ تعلیمی عمارت کی بندش اور نئے تعلیمی اداروں پر پابندی عائد کی گئی تھی مگر بلدیہ منڈی بہاؤ الدین نے مذکورہ حکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ۶ مارچ ۱۹۷۳ء کو میونسپل دستکاری اسکول بند کر دیا اور اسے بلا کسی وجہ کے ملازمت سے خارج کر دیا ہے جبکہ اسکول کا باقی عملہ بدستور رہو سلیٹ کی ملازمت میں ہے۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ جون ۱۹۷۴ء سے دستکاری اسکول میں ہیڈ ماسٹریس تعینات تھی اس کی ملازمت متعلق تھی لیکن بلدیہ کی افسر شای

نے اس کے قانونی حق کو سلب کر لیا ہے اور اس کی ہر ایک درخواست کو غلط روپوں کے ذریعہ ٹھکانے لگا دیا گیا ہے۔ ہیڈ ماسٹریس نے یہ بھی واضح کیا کہ نومبر ۱۹۷۳ء میں سابق وزیر اعلیٰ ملک مہراج خاں نے اس کی درخواست پر بحالی کا حکم دیا تھا۔ اسی درخواست پر ڈپٹی کمشنر گجرات نے عمل درآمد نہیں کیا۔

پاکستان مزدور لیگ پارٹی ضلع گجرات کے کنوینر مزاحمت بیگ قاصر نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ہسپتالوں کا نظام بہتر بنایا جائے اور عوام کی مشکلات کو مد نظر رکھتے ہوئے میڈیکل آفیسروں کو ہدایات جاری کی جائیں کہ وہ مرعینوں کی پولیشینوں کا احساس کرتے ہوئے ان کی تیمارداری میں فراقت سے غفلت نہ برتیں انہوں نے کہا کہ ہسپتالوں کی ادویات فروخت کر دی جاتی ہیں اور مرعینوں کو دوائیاں بازار سے خریدنی پڑتی ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ عزیز بھٹی شہید ہسپتال گجرات میں مرعینوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔

این ڈی بی ضلع گجرات کے کنوینر سید باقر رضوی نے مزدوروں کی چھانٹیاں بند کرنے اور غربت وطن سیاسی

تبدیلیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ دھاندلیوں اور بدعنوانیوں کا سد باب کرنے کے علاوہ اشیائے صرف کی قیمتوں کو اعتدال پر رکھنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں۔ سیاسی اجتماعات، پارٹیوں کی رکنیت اور پارٹی سے تمام اپنی دیاں ختم کرنے کا بھی مطالبہ کیا ہے۔ کچی آبادی غریب پورہ محلہ دیو پورہ کالونی کے صدر مسٹر علی بہادر ڈار نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق کچی بستیوں کے سکینوں کو مکانات کی تحقیق دینے کا اقدام کریں۔ علاوہ ان کے علاوہ ڈار نے ضلع گجرات اور منڈی بہاؤ الدین کے حکام کو لکھ باڈین سے مطالبہ کیا ہے کہ غریب پورہ اور نیو شیمر کالونی کے علاقہ میں قریباً پچھ سو خاندان آباد ہیں لہذا انہیں چھوٹے چھوٹے کھڑا کر کر لیا جائے تاکہ تباہ کاریوں سے نجات مل سکے جو موسم بوسات میں ملازم ہو کر رہ گئے ہیں۔

پریس کلب منڈی بہاؤ الدین کے سکریٹری میاں محمد خورشید زاہد نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اخباری کاغذ کے کوٹے میں اضافہ کر کے اخبارات کی معمول کے مطابق اشاعت بحال رکھے۔ انہوں نے روزنامہ انجام کمپنی کی اشاعت اجاری کاغذ کے کوٹے میں کمی کے باعث ہر دسمبر سے معطل ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہلے کہ حکومت کے اس اقدام سے آزادی صحافت پر ضرب کاری لگی ہے کیونکہ بلیک مارکیٹ سے اجاری کاغذ خریدنے کی اخبارات کے اکثر اداروں میں سکت نہیں ہوتی لہذا فی الفور کوٹے میں اضافہ کر کے اجاری بحال کر کے ختم کیا جائے۔

جمہوریت کا حسن

دقت وقت کی بات ہے جناب جیسا کہ میر حسن

نے آخر کلمہ ہی دیا تھا ہے
اب رفتہ رفتہ باتیں وہ ہموار ہو گئیں
آگے جنہوں کے نام سے جی کو ملال تھا

ایک غیر مصدقہ اطلاع کے مطابق (راڈکارڈ نامہ
"انجام" ۲۵ نومبر ۱۹۵۸ء) اسرائیل کو صدر سادات
کے دورے پر ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ اسرائیلی پونڈ خرچ کرنا
پڑے یہ دل کے معاملات ہیں اور ایسے معاملوں کے
بارے میں دلی کوئی فرماتے ہیں۔
میں اس کو چونچیں کہ تاہوں سجدہ
جو کوئی آتا ہے تیرا نام لے کر

توحید استقلال میں نوازیہ نواب محمد اکبر خاں گیتی نے
فرمایا کہ شخصیتوں پر جو حدیثی سے عوام کے مسائل حل نہیں
ہوتے روزنامہ "انجام" ۲۵ نومبر ۱۹۵۸ء، موصوف نے
یقیناً یہ بات کردار کی کفنی میں نہیں بھی ہوگی اور یہی ہوگی
بھی تو جناب بھٹو اور ان کے ساتھیوں کے حوالے سے نہیں
کہ نہ کجاہ اجاع علما اس سختہ آفرینی پر اٹھ رہے جس کی
نشان دہی اکبر الہ آبادی کر گئے ہیں جس سے انحراف ملت
کے حق میں نہیں ہے۔

دل ضعیف کو چاہئے نہیں ہے کفر سے اب
اگر زمان مسلمان رہ سکے تو رہے

مولانا مودودی نے نماز عید کی امامت کے بعد حاضرین
سے تجدید ميثاق کراتے ہوئے فرمایا کہ مستقبل میں ملکی امور
کی تمام ایسے افراد کے ہاتھوں میں نہ آتے جو سچے مسلمان نہیں
ہیں چند برس پہلے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب نیر
"مسلمان کی تعریف پوچھتے ہی رہ گئے اور بے چارے اپنی
دینی معلومات میں اضافہ کرتے بغیر خدا کو پیارے ہو گئے۔

کوئی دس برس اُدھر کی بات ہے ایک انگریزی تصنیف
"ڈاکٹر جیکال اینڈ مسٹر رائیڈ" کو ہالی وڈ میں نمایا گیا،
اور اس فلم میں اسپنسر ٹیسی نے ایک ڈاکٹر کا کردار ادا
کیا جو ایک سائنسی تجربے کے دوران ایک خاص مخلوق کے
ذریعے دن میں ایک شریف شہری رہتا تھا اور رات کو
خونخوار بھیریا بن کر آفت ڈھاتا تھا۔ انسان لیکن ایک
تجرباتی کتہہ ہیروئن میں دو قالب میں ڈھل جاتا تھا۔ غیر
فلوں میں تو بہت سی مادرائی اور فوق البشری چیزیں دکھائی
ہی جاتی ہیں۔ قابل ذکر اسپنسر ٹیسی کی لاجواب اداکاری
تھی کہ اس نے دو قطعی مختلف اور مشکل کردار نہایت
کامیابی سے نبھائے کیوں نہ ہو، ایک مایہ ناز اداکار ہے
جسے اپنے اندر باہر کے روپ کو پیش کرنے پر
پوری گرفت رہی۔

ملک کے ممتاز فلسفی قانون داں اور عبوری حکومت
کے متوقع مشیخ جناب اے۔ کے بروہی نے اقوام متحدہ
میں دو درواں کے چند متروک الفاظ استعمال کئے مثلاً
"جب تک دنیا میں معاشی عدم مساوات موجود ہے۔
اس وقت تک تحفظ انسانیت کا دعویٰ نہیں کیا
جاسکتا۔" انسانی حقوق سے انحراف وہی لوگ کرتے
ہیں جو دولت مند اور با اختیار ہوں۔ جن ممالک کا
سماجی اور اقتصادی نظام اس ادارے کی کسرٹی پر
پورا نہ اترتا ہو جس کی وہ تبلیغ کرتا ہے تو اس تبلیغ کے
دعوے کو کھوکھلا ہی کہا جائے گا (اپ ۳۳ نومبر ۱۹۵۸ء)
"ڈاکٹر جیکال اینڈ مسٹر رائیڈ" کے سپر اسپنسر ٹیسی
کو خواجہ میر درد کے اس شعر سے ادب تحسین دینا مقصود
تھا۔ جس کا موقع نہ ملا۔

پھرتے ہوئے نہاتے سچ اپنی جدھر تدرہر
لگ جاتے دیکھو نہ کسی کی نظر کہیں

کہ پچھتیس سال عوام کو حکمرانوں سے طبقاتی جنگ نہیں
کرتی چاہیے تھی اور آئندہ بھی جب تک یہ تضاد حل نہیں ہوتا
ہمیں حکمرانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ تک نہیں پہنچنا
چاہیے۔ طبقاتی مضامین کا یہ دیہی سبق ہے جو پہلے بھی
ڈاکٹر صاحب ہمیں دے آتے ہیں اور پاکستانی عوام کی طرح
اگر ہندوستانی عوام بھی یہ سبق پڑھ لیں کہ "سیرونی خطرے"
کے پیش نظر وہ اپنے طبقاتی دشمنوں سے اتحاد رکھیں تو
پھر یہ دونوں ملک قیامت تک یوہی حکمرانوں کے چنگل میں
رہیں گے کیونکہ انقلاب تو حکمرانوں کو شکست دے کر ہی
آتا ہے۔ غالباً ڈاکٹر صاحب اس بات سے بے خبر ہیں۔
اپنے اقتباس کے دوسرے حصے میں ڈاکٹر صاحب
فرماتے ہیں کہ نظامہ سیاسی معاشی اور معاشرتی نظام
کی وجہ سے ہم دشمن کے ہاتھوں میں جا رہے ہیں اس کا
مطلب تو یہ ہو کہ پاکستانی عوام کا بنیادی تضاد اس
ظالمانہ نظام کے ساتھ ہے جو نہ صرف انہیں پس ماندہ رکھے
ہوتے ہے بلکہ انہیں دشمن کی غلامی میں بھی دینے والا ہے
یعنی جب الوطنی کا تقاضا یہ ہے کہ عوام کو منتظم کیا جائے اور
اور حکمرانوں سے اقتدار لے لیا جائے۔ واصل بھارتی
تو یہیں پسندوں سے نبٹنے کا بھی یہی طریقہ ہے یہ بات
تو پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی حکمرانوں نے بھی مان لی
تھی جب انہوں نے ملکی سلامتی اور ملکی دفاع کے لئے
پاکستان کو سامراج کی کھولی میں ڈال دیا تھا۔ اور اب تو
دیسی بھی پاکستان اور ہندوستان کی فوجی طاقت کا کوئی
مقابلہ نہیں رہا۔ اور دیت نام میں امریکی شکست کے بعد
تو کوئی سیاسی طور پر نا باخ ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ باقاعدہ
فوج کسی طاقتور ملک کے سامنے ٹھہر سکتی ہے کسی طاقتور
ملک کے خلاف دفاع کا وہی طریقہ ہے جو دیت نام کے
عوام نے اپنایا تھا یعنی عوامی جنگ اس کے لئے اپنے
ملک کے حکمران جاگیر داروں، سرمایہ داروں اور افسر شاہی
کا خاتمہ ضروری ہے کیونکہ یہی وہ طبقہ ہے جو عوام کو منتظم
ہونے سے روکتا ہے اور ان سے خوفزدہ رہتا ہے۔ ان
ناسوروں کا خاتمہ کئے بغیر عوام کی عظیم طاقت کو اپنے
ملک کے دفاع کے لئے کھڑا نہیں کیا جاسکتا۔ اس
وقت جب کہ عوام میں جمہوریت اور انصاف کے لئے ایک
عظیم اُبھار آیا ہوا ہے، "سیرونی خطرے" کی دہائی دینا
کھلے طور پر عوام کو خادوش کر کے اور حکمران طبقوں کے
ہاتھ مضبوط کرنے کے مترادف ہے۔

ابوضیا اقبال

اب سے مسلمان کی تعریف کون کرے گا؟ اور پھر اس کی علی شکیلیہ معتبر مفسر سے سمجھا جائے گا؟ جماعت اسلامی جمعیت علماء اسلام (دونوں گروپ) یا جمعیت العلماء پاکستان (مرکزی اور حقیقی گروپ) کو؟ ظاہر ہے کہ امت مسلمہ ان میں سے کسی کو خارج از دعویٰ قرار نہیں دے سکتی۔

اس بے دست دیا کی کیفیت کچھ یوں ہے۔ بلانا ہے مجھے بت خانے سے شیخ حرم اکبر نہ جانا اگر کہ جاتے ہیں مگر جانا ہی بہتر ہے اگر شرط مسلمان کی ہوتی تو قد و قامت سے کام چل جاتا لیکن "سچے" کی قید سے حواس غمہ لب و لہجہ زندہ دن کا معاملہ بھی پیش ہو گا۔ آگے بڑھ کر منبر و محراب کے پہاڑ راہ میں حائل ہوں گے۔ تاویلات و تشریحات کے سمندر عبور کرتے ہوں گے۔ تنقیص تنسیخ کی کھائیاں منہ پھاڑے ملیں گی دیگرہ وغیرہ اور ان سب باتوں سے گندے نمک قیامت آجائے گی یا حضرت ہدیٰ کا ظہور ہو جائے گا اور بن کھلے پنجوں پر حسرت رہ جائے گی۔ لہذا کیا بہتر نہ ہو گا کہ اسلام کے میک اپ میں جہاد گرفتہ تینوں جماعتیں دوسروں سے نشستیں تو آپس میں برابر یا برابر باض لیں تاکہ ٹٹنٹا نہ رہے مسلم لیگ کو اس سے دور خیر اعتنا گردانے کی ضرورت نہیں ہے کہ "لیگ" کا پیوند غیر اسلامی شکل ہے۔ اس منزل رسائی سے حاکمی کی پیشگوئی بھی پوری ہوگی

مذلا کوئی غارت ایمان
رہ گئی مشرّم یار ساتی کی

نیشنل عوامی پارٹی، پاکستان سپر پارٹی اور تحریک استقلال کے ہوا کے رخ پرتا کوئی دماغ جناب محمود علی قصوری نے ایک عرصے بعد لب کشائی فرمائی ہے اور تحریک استقلال کی پی این اے میں شمولیت کی تین وجوہ بتائی ہیں۔ مجھ کو حکومت کا خاتمہ، جمہوری حکومت کا قیام اور نظام مصطفیٰ کا نفاذ، نمبر ایک کے بارے میں فرمایا کہ مقصد پورا ہو گیا۔ نمبر دو کے

بارے میں یہ کہ اسے صرف تحریک استقلال ہی علی جامہ پہنا سکتی ہے اور نمبر تین کے بارے میں کہا کہ یہ قومی مطالبہ بن چکا ہے (روزنامہ "اعلان" ۲۷ نومبر ۱۹۷۶ء)

اس حساب سے تحریک کی پی این سے بروقت علیحدگی بالکل جائز ہے کہ مارشل لا کے باعث مجھ کو حکومت سے بجات مل گئی۔ دوسرے مقصد کے لئے پی این اے میں شمولیت کی یوں ضرورت نہیں کہ جمہوری حکومت کے قیام کو نہ صرف تحریک استقلال بلکہ پی این اے کی ہر جماعت الگ الگ اور اپنے اپنے طور پر بخیر و خوبی علی جامہ پہنا سکتی ہے۔ کیونکہ ہر جماعت کا اپنا منشور ہے جس کی وہ نظریاتی طور پر پابند ہے اور نظریات میں تبدیلی ضرورت کے پیشے میں ناگزیر ہوتی ہے۔ مہاتمرا مقصد سودہ قوم کا درد سر ہے۔ تحریک استقلال تو اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو رہی گئی ہے اب یہ دوسری جماعتوں کا ذاتی معاملہ ہے۔

انٹیم ٹیکس بچاؤ اسکینڈل کے شہرت یافتہ میاں صاحب نے اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ بھالی جمہوریت کے لئے صرف کیا ہے اور ہر نوع کی آمریت کے خلاف سینہ سپر رہے ہیں۔ لہذا ان کا دعویٰ تبریک اور دعویٰ نمبر دو کسی جواب دعویٰ کا محتاج نہیں ہے۔ نمبر ایک کا وجہ جاکتا ثبوت سامنے ہے اور دوسرے کے لئے بہ دست غیب بڑی گنجائش ہے پس باقی جماعتوں کو چاہیے کہ نمبر دو کے لئے تحریک استقلال کی ٹٹاٹ بھرتہ ہو جائیں اور تیسرے مقصد کو قوم کے لئے چھوڑ دیں۔ کیا سارے کام جماعتیں اور ان کے لیڈر ہی کریں گے اور قوم پول کی کھلتے گی؟

کرکٹ کنٹرول بورڈ کے موجودہ صدر جناب محمد حسین چوہدری جو ملک میں اسلامی نظام / نظام مصطفیٰ نہیں چاہتے جمہوریت بھی نہیں چاہتے۔ ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بدعنوانیاں، دھاندلیاں، جرائم اور سرکاری خزانے خالی کرنے والوں کے ساتھی ہیں۔ سادھے لفظوں

میں جناب مجھ کو اپنی پی کے طرفدار ہیں۔ لوگ پوچھنا چاہیں گے وہ کیسے؟ تو عرض ہے کہ موصوت نے غازی ملت بطل حریت، فخر پاکستان، یاسان قوم جناب ظہور الہی کے جذبہ حب الوطنی اور جوش ایمانی پر چھینٹے اڑانے کی غرض حرکت کی ہے۔ کہا ہے۔ یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ چوہدری ظہور الہی سیاست کی طرح ہر شعبہ میں "لنگ اٹانا" چاہتے ہیں جب کہ انہیں کھیلوں کے بارے میں معلومات نہیں ہیں کسی بھی سیاست دان نے کرکٹ کے معاملات سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چوہدری ظہور الہی کرکٹ کو سیاست سے پاک رکھنا نہیں چاہتے۔

حکمر سیاست کی پیشگوئی کے مطابق جناب محمد حسین چوہدری کا دھڑن تختہ ہونے کا قری امکان ہے بشرطیکہ نائب نہ ہو جائیں۔

نیک دل بزرگ اپنے تجربوں سے تجویز عواذی اور تنبیہ کم بزرگوں کو مستفید کرتے رہتے ہیں کہ وہ زندگی کے بیچ دھم سے واقف ہوتے رہیں۔ ان ہی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے بزرگ یا تانان جناب محمد الیوب کھرڑو نے پاکستان پیپلز پارٹی پر پابندی کا مطالبہ داغا ہے۔ ظاہر ہے یہ ان کا موجودہ حکومت کو ہی مشورہ ہے کہ یہ کہ موصوف ایک حکومت کے ماتحت سیاست سے ایڈیڈ ہو چکے ہیں۔ اس عالم ایڈیڈ زندگی میں انہیں فرصت کے ستراحت بخش ایام میسر آتے ہوں گے اور غور و فکر کے مواقع فراہم ہوتے ہوں گے اس گوشہ عاطفیت نے ان کے ذہن رسا کو جلادی اور حب انہول نے دنیائے رست و غیر میں ملاجعت کی تڑپنے تین بقول حضرت سلیم لکھنوی ء

ز ملا کوئی غارت ایمان
شمر و گئی یار ساتی کی

پوسٹر لگانے کے الزام میں تین طالب علموں کی گرفتاری

نہایت الفتح

جمعیت نے بھی مارشل لا
کے ضابطہ ۲۸ کی واپسی کا مطالبہ کر دیا

سندھ میڈیکل کالج کے طالبہ کی صوبہ اور شہر بدری طلبہ میں تشویش اور بے چینی کا باعث بنی ہے۔ سندھ میڈیکل کالج کے چھ سو طلبہ و طالبات کے دستخط سے مارشل لا حکام سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ طلبہ کے خلاف کارروائی کا فیصلہ واپس لیا جائے اور فوری طور پر یونین کے صدر حسن حیدری کو کالج میں واپس بھیجا جائے۔

ابن ای ڈی یونیورسٹی کے طلبہ بھی سراپا احتجاج ہیں کیونکہ وہاں کے ایک پروجیکٹ کا کام بند ہو گیا ہے جس کی رقم حکومت کو فراہم کرنی ہے۔ کتابوں اور پریکٹیکل کے سامان کی کمی پر بھی وہاں کی یونین نے احتجاج کیا اور بطور احتجاج رجسٹرار کے دفتر کو بند کر دیا گیا۔ مارشل لا حکام سے یونین کے نمائندوں نے ملاقات کی اور اپنے مسائل سے آگاہ کیا۔ انہوں نے مارشل لا کے ضابطہ ۲۲ اور ۲۸ کی واپسی کا مطالبہ بھی کیا۔

جب یہ مسائل پیدا ہوئے اور اس پر احتجاج کرتے ہوئے شپ اور مذکورہ کالج کے طلبہ نے ان مسائل پر پوسٹر لگاتے تو ۳ نومبر کو کالج کے ۳ طالب علموں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس کے دوسرے دن نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کراچی کے صدر وجہ الدین امدان کے بھائی کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان گرفتاریوں پر اور طلبہ کے دیگر مسائل پر نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جان عالم ٹی ایس اور عوامی کے مولابخش این ایس ایف پاکستان کے انجمن رشید سندھ این ایس ایف کے رفیق شہیل امدان انقلابی محاذ طلبہ کے اور عاتق نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں شپ اور نرس کے تین طلبہ کے

کراچی کے طلبہ میں بے چینی کی ایک لہر آتی ہوئی ہے جس کا اظہار مختلف جگہوں پر مختلف صورتوں میں ہو رہا ہے۔ بے چینی کی وجوہات میں طلبہ کی سرگرمیوں پر پابندی طلبہ کی گرفتاریاں سندھ میڈیکل کالج کے طلبہ کی صوبہ اور شہر بدری داخلوں کا مسئلہ اور دیگر مسائل شامل ہیں۔ خصوصاً مارشل لا کا ضابطہ ۲۸ اور ۲۲ جس کی وجہ سے طلبہ کی سرگرمیوں اور یونین کے انتخابات پر پابندی لگ گئی طلبہ پر اثر انداز ہوا ہے جس کے خلاف تقریباً تمام طلبہ تنظیموں نے بیانات جاری کئے ہیں اور ان ضابطوں کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ اس ضابطے سے اسلامی جمہیت طلبہ کو فائدہ پہنچنے کا کافی امکان ہے کیونکہ بیشتر کالجوں میں جمعیت کی مقبولیت کم ہوئی ہے اور ان کی یونین ختم ہونے سے امکانات پیدا ہو گئے ہیں جس کا اندازہ خود جمعیت کے بیان سے ہوتا ہے جو اس نے طلبہ کے شدید دباؤ پر جاری کیا کہ "مارشل لا کا ضابطہ ۲۸ واپس لیا جائے حالانکہ اس سے ہمیں فائدہ ہے۔"

آج کل کالجوں میں داخلوں کا مسئلہ شدت سے پیدا ہو گیا ہے۔ طلبہ کی تعداد میں مسلسل اضافے اور کالجوں کی تعداد میں کمی کی وجہ سے سیکنڈ اور تھرڈ ڈویژن کے بیشتر طلبہ اور طالبات کے داخلوں سے محروم ہونے کا امکان ہے۔ بیشتر کالجوں میں ابھی تک تعداد سے کم طلبہ کو داخلہ دیا گیا ہے۔ اس مسئلے پر بھی تمام طلبہ تنظیموں نے احتجاج کیا ہے۔

علامہ طالب علم رہنما وجہ الدین اور صفدر کے طالب علم رہنما ایوب خشک کی حالیہ گرفتاریوں کی مذمت کی گئی اور مطالبہ کیا کہ انہیں فوراً رہا کیا جائے انہوں نے مارشل لا کے ضابطہ ۲۸ اور ۲۲ کی واپسی اور سیکنڈ اور تھرڈ ڈویژن میں پاس طلبہ کو بھی کالجوں میں داخلے دینے کا مطالبہ کیا۔

بقیہ: جانناز کا انسٹریو

جو کچھ حکم کارکیوں میں ہوتا ہے، وہی ڈسٹرکٹ جیل میں ہوتا ہے میرے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار کیا گیا۔ جیل میں رشوت عروج پر ہے۔ رشوت دے کر آپ بیچھے والی کوٹھری میں جگہ پا سکتے ہیں۔ اپنا کھانا علیحدہ لکھایا یا پکا سکتے ہیں اور مشقت سے بچ سکتے ہیں ملاقاتیں کر سکتے ہیں اگر رشوت نہیں دیتے یا نہیں دے سکتے تو پھر آپ کو "ڈول" ڈجیل کی زبان میں دال کو "ڈول" کہتے ہیں، اور بیٹول (سائن) ملے گا۔ ہماری جیلیں جاگیر داری دور کے بندی گھر ہیں۔ انگریزوں کا مرتب کردہ "جیل میگزین" آج بھی رائج ہے میرے ساتھ جو غریب نابینا لکھنا سیکھنا لیا گیا، اس کا تذکرہ تو آپ نے "الفتح" میں اسی زمرے میں کر دیا تھا۔ جب میں جیل میں تھا، کاش! ہمارے ارباب اقتدار قیدیوں کو بھی انسان سمجھیں اور انگریزوں کے بنائے ہوئے "جیل میگزین" میں تبدیلی کریں۔

بقیہ: کچھ سیخ کچھ جھوٹ

"تہیں کسی نے بہکا دیا ہے۔ میرے ماموں نے کہا۔ "یہ غلط ہے۔" میں نے پوچھا۔ "اچھا یہ حسن ناصر کا کیا معاملہ ہے؟" ماموں نے پوچھا۔ "کون حسن ناصر؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔ "آپ حسن ناصر کو نہیں جانتے؟" نفی میں سر کو جنبش دیتے ہوئے ماموں نے کہا۔ "نہیں بیٹے میں کسی حسن ناصر کو نہیں جانتا۔" میں نے کہا۔ "ان کو ازتیں دے کر شہید کیا گیا تھا۔" "آخر ہونا افسانہ نگار! میرے ماموں نے کہا۔" حسن ناصر افسانوی کردار تو ہو سکتا ہے لیکن اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ تاریخ کے تانباک دور میں ہولناک جرائم نہیں ہوتے۔" میں تجھے ماموں کی باتوں سے قائل ہو گیا۔

پاکستان میں غریبوں کے لئے جگہ نہیں تو مجھے

سرمگولی مار دی جاتے

اسے اچانک ملازمت سے برطرف کر دیا

مناسبتہ خصوصی



”مجھ پر ظلم کیا گیا اور میری دادرسی بھی نہیں کی جا رہی ہے جب بھی میں انصاف کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں تو مجھے جواب دیا جاتا ہے ”پاکستان میں غریبوں کا سہارا جیل میں بند ہے۔ اب تمہیں ہمارے معرکہ دم پر صبر کرنا ہو گا۔“ میں انسانیت کے نام پر اپنی کرتا ہوں کہ میرا معاملہ فوجی عدالت کے سپرد کیا جائے میں اپنے آپ پر ہونے والے بر ظلم کا ثبوت پیش کروں گا اگر ثبوت نہ دے سکا تو بے شک مجھے گولی مار دی جاتے ہیں ہر سزا خوشی سے قبول کر لوں گا۔“

یہ الفاظ پاکستان کے ایک شہری محمد فاضل چوہان کے ہیں جو داد کوٹن ملز لاندھی کے اندر واقع ڈائیکٹون ملینڈ میں بطور آپریٹر ملازم ہے۔ ۲۳ جون ۱۹۷۷ء کو اچانک اسے اطلاع دی گئی کہ اسے ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا اس ایک کل نام سے وہ تمام قانونی حقوق اور مراعات سے محروم ہو گیا اس کی بیوی رچی میں تھی۔ چنانچہ وہ اپنی بیوی کو لے کر سوشل سیکورٹی ہسپتال کراچی گیا۔ لیکن اس کی بیوی کو داخلہ نہیں دیا گیا، جب کہ اس کی حالت بہت نازک تھی اس نے بڑی منت سماجت کی، ہاتھ جوڑے انسانیت کے نام پر اپیل کی مگر پتھر دل علی کا دل نہ پسپا، اینوں نے اس طرح ننگا نہیں پھیر لیں جیسے اس کی بیوی انسان بن تھی، بلکہ پتھر کا بے جان ٹکڑا یا جا تو بھی غیور اس نے اپنی بیوی کو سوشل ہسپتال میں داخل کر دیا جہاں آپریشن کے بعد ایک سچی پیدا ہوئی یہ واقعہ ۲۴ مارچ ۱۹۷۵ء میں پیش آیا۔

نومبر ۱۹۷۶ء میں بھی ایک بار پھر اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ اپنی بیوی کو لے کر سوشل سیکورٹی ہسپتال لاندھی گیا مگر ڈاکٹر ڈائریکٹ سوشل سیکورٹی اور نیڈا نے کی ہٹ دھرمی اور غیر انسانی سلوک کی وجہ سے داخلہ نہ ملا۔ یہی نہیں دیکھا ہسپتال میں اس پر تشدد کا مظاہرہ

بھی کیا گیا اس نے ظلم کے خلاف اس وقت کے وزیر اعظم مشر محمد یوسف سے رجوع کیا۔ جس پر چیف سیکرٹری کو ہدایت کی گئی کہ اس واقعہ کی مکمل تحقیقات کی جائے جب کہ سوشل سیکورٹی والوں کے پاس پہنچا تو وہاں کا عمل اس سے بڑی خوش اخلاقی سے پیش آیا اور اسے ۱۸ روپے ۵۵ پیسے کا چیک دیا گیا۔ عمل اس انجوائری سے پریشان تھا۔

سانچہ

ایاز ندھی

محکمہ روڈ میں لوٹ مار حکام ٹھیکے دار بن گئے

بیلدار بیگار کیمپ کے مظلومین سے زیادہ مظلوم ہیں

مڑکوں کی تعمیر اور مرمت کے لئے ہر سال کروڑوں روپے فراہم کئے جاتے ہیں۔ مگر ان بدعنوان اہل کاروں کا یہ عالم ہے کہ وہ اس کثیر رقم کو سال بھر کے مختصر عرصہ میں ڈکار لئے بغیر ہضم کر جاتے ہیں۔ بد قسمتی کی بات ہے کہ ان کی بدعنوانیوں کا کبھی نوٹس نہیں لیا گیا نہ ہی کبھی پوچھ گچھ کی گئی کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کس بات کی تنخواہ لیتے ہیں۔ یہاں تک ایک سب ڈویژنل انسر اور ایک اور سیر اس قدر خوشحال ہیں کہ اگر ملازمت نہیں بھی رہے تو وہ سالہا سال بیٹھ کر شاندار زندگی گزار سکتے ہیں یہ لوگ زرعی اراضی اور بڑے کاروبار کے مالک بن چکے ہیں اب اگر سڑکیں تباہ ہوتی ہیں اور آمدورفت (صفحہ ۲۹ پر)

سانچہ میں آمدورفت کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر گیا ہے ٹرانسپورٹ اتھارٹی اور پرائیویٹ گاڑیوں کے مالکان نے ملی جھگڑے کے عوام کے لئے انتہائی مشکلات پیدا کر دی ہیں عموماً روڈ والے ان حالات سے فائدہ اٹھا کر وہ دن پاتھ رنگ رہے ہیں اس وقت سانچہ میں ایسی کوئی ٹرک نہیں جو صحیح سلامت اور ٹرنک کے لئے کارآمد ہو۔ اہم شاہراہیں جو عوام کی آمدورفت کا واحد ذریعہ ہیں بالکل تباہ ہو گئی ہیں گاڑیوں کی تشریح کی وجہ سے لوگوں کو شہر جانے کے لئے بہت ساقی وقت اور پیسہ برباد کرنا پڑتا ہے۔ س کی ساری ذمہ داری سب سے انشراق وزیر پر عائد ہوتی ہے

مرنے وطن تھے اماں تار تار کی خمیر

اقبال میسر

کانگریس کی صفوں میں اس بارے میں انتشار اور اختلاف نہ تھا، کینٹ مشن کے منصوبہ کو کس نے رد کیا تھا، کیوں اور کس نے؟ کیا انگریز پاکستان بنانے پر متفق تھے؟ کیا اصل سوال آزادی ہند کا نہ تھا؟ کیا کانگریس نے "تقسیم کرو اور چلے جاؤ" کا نعرہ نہیں لگایا تھا؟ کیا ہندستان سو آزاد کرنے کے لئے بین الاقوامی سیاست کا دباؤ نہ تھا؟ کیا دوران جنگ انگریزوں نے آزادی کا وعدہ نہ کیا تھا؟

ہندوستان کی آزادی افتخار جنگ پر اس کا مقدر ہو چکی تھی لیکن انگریز کی جایشی کا سوال تھا۔ مسلمانوں کو قومی نظریہ کی بنیاد استوار کر دی تھی اور ۱۹۴۷ء میں علیحدہ وطن کا مطالبہ شدت اور زور پکڑ چکا تھا۔ کیا تقسیم ہند ان حالات کی پیداوار نہیں ہے؟ کیا انگریزوں نے آخری لمحے میں بھی پاکستان کو کمزور کرنے کی کوشش نہیں کی؟ کیا ان لوگوں کی تقسیم میں حکومت ہند نے مضمانہ رویت اختیار کیا؟ کیا شیمکر کو ہندوستان سے ملٹی کرنے کی کوشش نہیں کی گئی؟

اگر پاکستان کو اشتراکیت کے پھیلاؤ سے روکنے کے لئے بنایا گیا تھا تو لازمی طور پر اس کو طاقت ور کیا جانا۔ ظاہر ہے کہ مٹاشی اور فوجی اعتبار سے کمزور پاکستان روس کے تیز رفتورند سیلاب کو کس طرح روک سکتا تھا؟ پھر کشمیر کا علاقہ اپنے جلتے وقوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے اس کو پاکستان سے منسلک کرنے کی بجائے ہندوستان میں شامل کیوں کیا جانا؟ دیدہ کھٹ اپارڈ کیوں بدلا گیا؟

کمال صاحب نے فٹو، کی کتاب سے دو صفحات کے عکس شائع کئے ہیں۔ اس کتاب کا حالہ انہوں نے کچھ ایسے انداز سے دیا ہے کہ وہ کوئی الہامی کتاب ہے اور اس میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ حیرت آفر ہے۔ حالانکہ ان دو

کوئی ڈاکٹر احسن کمال ہیں انہوں نے کمال بصیرت سے یہ معلوم کر لیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے "انڈیا دز فریڈم" کے ۳۰ فرمطبہ صفحات میں کیا کچھ لکھا ہے۔ کمال کیا کہ لغافرد کچھ کہ معنون بھانپ لیا، ہفتہ وار الفج، کے گذشتہ چند شماروں میں ایک سلسلہ وار معنون لکھا اور "تان اس پر توڑی کہ" تقسیم ہند کا منصوبہ اشتراکیت کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے بنایا گیا۔ یہ ان کی سوچ بوجھ کا مزید کمال ہے۔

لمحہ فکر ہے ان مورخین، مبصرین اور صاحبان فکر و نظر کے لئے جو مغلیہ سلطنت کے زوال، انگریز سامراجیت کے پھیلاؤ اور ہندو اکثریت کی ریشہ دوانیوں کو تحریک پاکستان کے اسباب سمجھتے اور مسلم تہذیب و ثقافت کو باقی رکھنے اور اسلامی طرز زندگی کو آزادانہ برتنے کے لئے دو قومی نظریہ کی حقیقتوں کو واضح کرتے رہے ہیں۔

کمال صاحب نے ۳۰ برس بعد یہ انکشاف کیا کہ تقسیم ہند کا مقصد محض اشتراکیت کے پھیلاؤ کو روکنا تھا جس کو مورخین، مبصرین اور صاحبان فکر و نظر سمجھ نہ سکے معلوم نہیں کہ یہ انداز فکروان کا اپنا انفرادی ہے یا اشتراکی جماعت کی وہ ترجمانی کہ رہے ہیں لیکن سی پ آئی ریکورڈسٹ پارٹی آف انڈیا نے تو پاکستان کی تائید میں بیرون وطن پاس کیا تھا اشتراکیت کے علمبرداروں نے تو مسلمانوں کا حق خود ارادیت تسلیم کیا تھا۔ اشتراکیت پسند نے پاکستان کی قومیت اپنا کر حلقہ وفاداری اٹھایا تھا۔ اگر یہ سب کچھ تاریخ کے صفحات پر موجود ہے تو پھر غیر متوقع صفحات کے متن کی تلاش کیوں اور یہ مین مانی تاویل کیسی؟

سی مولانا ابوالکلام آزاد نے پاکستان کی بقا کا پیغام نہیں بھیجا تھا؟ کیا عطا اللہ شاہ بخاری نے حمایت نہیں کی تھی؟ کیا حسرت موہانی اس کے طرفدار نہ تھے؟ کیا

صفحات کے متن میں افغانستان کے سلسلہ میں "فلک" صاحب کہتے ہیں کہ افغانوں کو ہندوؤں کا تسلط پسند نہ تھا اور وہ پاکستان کے حق میں تھے۔ "فلک" صاحب کی یہ پیش بینی فکرو نظر کی کتنی غلطی تھی اس کا ثبوت آج بھی افغانستان کے رویہ سے ظاہر ہے۔

کمال صاحب کا طرز کمال یہ ہے کہ وہ کمال بصیرت کے باوجود اس جال میں پھنس گئے اور آکر کاربن گئے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیوں انہوں نے پاکستانی قومیت اختیار کیا؟ کیا وہ پاکستان کے وفادار ہیں؟ نظریہ پاکستان سے انحراف کے بعد ان کی کیا پوزیشن رہ جاتی ہے؟

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کمال صاحب مولانا ابوالکلام آزاد کو کتنے قریب سے جانتے ہیں ان کے انداز فکر و نظر کو کس طرح پہچانتے ہیں ان کے دل و دماغ کی صلاحیتوں سے کیونکر واقف ہیں ان کے احساسات اور جذبات سے کتنے آگاہ ہیں ان کے اندرونی رجحانات سے کس حد تک آشنا ہیں۔

ابھی ہندو پاک میں ایسی ہیستیاں موجود ہیں جنہوں نے مولانا کی آنکھیں دیکھی ہیں، ذہنی رجحان سے واقفیت رکھتے ہیں، انداز فکر سے اور انداز فہم سے آگاہی رکھتے ہیں۔ ان سب کا متفقہ بیان ہے کہ مولانا نے کبھی اشتراکیت کا پرچا نہیں کیا اور نہ کبھی اس کے پھیلاؤ میں امداد کی ان کی سیاست جذبہ حریت سے سرشار تھی، وہ ایک منہ جرتھے، غلامی سے مخالفت، آزادی کے موید۔ ان کا دل مومن کا دل تھا، ان کا دماغ عالم دین کا دماغ، ان کا ظلم اور ان کی زبان حریت اور اسلام کے لئے وقف تھی اشتراکیت پسندی ان پر ایک بہتان ہے، الزام ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ ۳۰ سال بعد بھی پاکستان میں رہ کر پاکستان کی مخالفت کرتے ہیں، اس کے قیام کی بنیاد سے اخلاص کرتے ہیں یہ صحیح ہے یا ایسی آواز صدا بہ صحرا ہے لیکن ایسی آواز کو بلند ہونے کیوں دیا جاتا ہے؟ پھر اس کی اشاعت کیوں کی جاتی ہے؟ آزادی تحریر کے یہ معنی تو ہمیں کہ پاکستان کی بنیادوں پر ضرب لگائی جاتے، ناواقف بوجوان نسل اور معصوم ذہنوں کو بھٹکایا جاتا جان و مال کی تیر قزمانیں کو راسخاں کر دیا جاتے مسلمانوں کے حق خود ارادیت دیکر نہ تقسیم سے پہلے ایکشن اور ریفرنڈم ہوتے تھے؟ کو نظر انداز کر دیا جاتے۔ اور "ایمان" اتحاد اور تنظیم کے ملک گیر مظاہروں کو صرف نظر کر دیا جاتے۔

رپورٹ میں حوالہ موجود، ریکارڈ میں بیان نہیں



**لاہور ہائیکورٹ میں
مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا درخواست
کامنتیں**

طرف سے دی جانے والی رپورٹ مورخہ ۲۲ فروری ۶۷ء کے پیرا گراف ۵ میں دیا گیا ہے۔ اور یہ کہ اسلام آباد کی تحقیقات کے دوران ایک ڈی ایس پی کو دیئے گئے مسٹر احمد رضا قصوری کے بیان کی نقل صفائی کو فسر ایہم کی جانے۔

ایہ معزز عدالت کی زیر ہدایت فاضل خصوصی کیل استغاثہ نے ٹریبونل کی کارروائی کے اصل ریکارڈ کی جانچ پڑتال کے لئے معائنے کا بندوبست کیا۔ اسی پر درخواست گزار کے دیکل مسٹر ڈی ایم اعوان اور سید احسان تادراشا نے بنجاب کے چیف سیکریٹری مسٹر مسودین سے ان کے دفتر میں ملاقات کی۔ اور ان کے بندوبست کے تحت درخواست گزار کے دیکل سے کہا گیا کہ وہ مسٹر تقی الدین پال، ڈپٹی سیکریٹری (جنرل) ہوم کے دفتر میں ان کی موجودگی میں مطلوبہ ریکارڈ کا معائنہ کریں۔ درخواست گزار کے دیکل نے مسٹر تقی الدین پال سے ملاقات کی اور انہیں اپنی مزید بات سے مطلع کیا۔ ضرورت یہ تھی کہ ٹریبونل کی رپورٹ کے پیرا گراف ۱۵ میں مذکور مسٹر احمد رضا قصوری کے بیان کا معائنہ کرنا تھا۔ ٹریبونل کے اصل ریکارڈ کی دیکھ بھال کے بعد مسٹر تقی الدین پال نے درخواست گزار کے دیکل کو اطلاع دی کہ ٹریبونل کی رپورٹ کے پیرا گراف ۱۵ میں مذکور مسٹر احمد رضا قصوری کا ذکر بیان ریکارڈ پر موجود نہیں تھا۔ اس لئے بنا بریں

گئیں۔ بنا بریں عدالت نے ازراہ کرم حسب ذیل حکماء فرمایا جو شہادت کی کارروائی کے صفحہ ۵۸ پر موجود ہے۔ ”مسٹر بھٹو کے دیکل مسٹر ڈی ایم اعوان نے بیان کیا کہ انہوں نے مسٹر احمد رضا قصوری پر اپنی جرح مکمل کر لی ہے سوائے ان چند معاملات کے جو ان چند دستاویزات کے پیش کرنے سے ابھر سکتے ہیں جن کا ذکر انہوں نے آج کی اپنی ضمنی درخواست میں کیا ہے۔ بے شک انہوں نے عرض کیا ہے کہ مزید برآں وہ پوری شہادت کے غلط ہونے کے بارے میں دسی سوال کرنے کا اپنا حق محفوظ رکھتے ہیں۔“ درخواست کی ایک نقل خصوصی دیکل استغاثہ کو فراہم کی جا رہی ہے جو اپنا جواب داخل کریں گے۔ مسٹر ڈی ایم اعوان کی مذکورہ بالا گزارش کا نوٹس لیا گیا ہے۔“

۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو پیش کردہ درخواست جن کا ذکر مولد بالا حکم میں کیا گیا ہے نمبر ۸۰ کی حیثیت سے منسلک ہے۔

۲۔ مذکورہ بالا درخواست میں بالضرورت گزارش کی گئی تھی کہ درخواست گزار کے دیکل کو اجازت دی جائے کہ ٹریبونل کی کارروائی کے اصل ریکارڈ کا معائنہ کر سکے تاکہ مسٹر احمد رضا قصوری کا وہ بیان حاصل کیا جاسکے جو حضور مسٹر حبش شفیق الرحمان نے ٹریبونل کے فیاض انجام دیتے ہوئے تلبند کیا تھا جس کا حوالہ ٹریبونل کی

عدالت لاہور ہائیکورٹ لاہور
بلسلہ زمبھاری مقدمہ نمبر ۱۹۷۷/۶۰-۱۹۷۷-۱۹۷۷
ریاست بنام ذوالفقار علی بھٹو وغیرہ
درخواست زیر نمبر ۵۶۱، الف بنجاب ذوالفقار علی
بھٹو کے از طرف ان مقدمہ مذکورہ الصدد
مورد باز عرض حسب ذیل ہے۔

۱۔ مذکورہ بالا مقدمہ اس معزز عدالت کی فل بیج کے زیر سماعت ہے جو حضور والا کان مسٹر حبش شتاق حسین تانکھا چیف جسٹس مسٹر حبش ذکی الدین پال، مسٹر حبش ایم ایس آر ترشی، مسٹر حبش آفتاب حسین، مسٹر حبش گل باز خان پشگل ہے اور استغاثے کی شہادتیں تلبند کی جا رہی ہیں۔ ۲۔ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو مسٹر احمد رضا قصوری (گواہ استغاثہ ۱) پر جرح ملتی کر دی گئی تھی۔ یہ کہ صفائی کی جانب سے درخواست کی گئی تھی کہ مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۷۷ء کو اسلام آباد پولیس اسٹیشن میں درج شدہ فرسٹ انفارمیشن رپورٹ نمبر ۲۶۷۳ میں بنیاد پر تمام مقدمے میں تحقیقات کے دوران گواہ مذکورہ کا جواب ان ایک ڈی ایس پی نے تلبند کیا تھا۔ اس کی نقلیں صفائی کو فراہم نہیں کی گئی تھیں نیز یہ کہ گواہ مذکورہ کا جواب ان تحقیقاتی کارروائی کے دوران مسٹر حبش شفیق الرحمان نے تلبند کیا تھا جن کا ذکر ٹریبونل کی رپورٹ مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۷۷ء کے پیرا گراف ۱۵ میں کیا گیا ہے۔ اس کی نقلیں بھی صفائی کو فراہم نہیں کی

درخواست گزار کے دکیوں نے ریکارڈ کا معائنہ نہیں کیا۔ بہر حال فرسٹ انفارمیشن رپورٹ نمبر ۳۲۷ کے ذریعے مورخہ ۲ اگست ۲۰۱۹ کو اسلام آباد پولیس اسٹیشن میں درج مقدمے کے سلسلے میں تحقیقات کے دوران تلبیس کیے جانے والے سٹر احمد رضا قصوری کے بیان کی نقل بعد میں صفائی کو مہیا کر دی گئی۔

۴۔ مٹر حبش شفیع الرحمان کی دی ہوئی حوضہ ۲۲ فروری ۱۹۷۵ کی رپورٹ کا پیرا گراف ۱۵ حسب ذیل ہے۔

۱۵۔ ایف آئی آر میں وقوع کا صرف ایک سبب بتایا گیا۔ وہ فریادی سٹر احمد رضا قصوری کی وابستگی اور اور سیاسی سرگرمیاں اور وزیر اعظم کا ان پر غصہ اور ناپسندیدگی ہے جن کا اظہار انہوں نے کھلے عام ٹی وی پر کیے ایران میں کیا ہے ایف آئی آر میں اس قسم کے قصص کی نشاندہی کی وضاحت کرتے ہوئے فریادی نے واضح کیا کہ اس کا لازمی طور پر یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں اس یا سابقہ حملے کا نشانہ وزیر اعظم کی ایا پر بنایا گیا ہے۔ یا حملے کا بندوبست حکومت یا پارٹی میں کسی شخص نے کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی اختلافات کی بنا پر چاہے ان کی نوعیت اور درست کچھ ہی کیوں نہ ہو، وزیر اعظم کی طرف ایسی کھلی عام مذمت جوئی الوقت تمام سیاسی اور حکومتی اختیارات کا خزیہ اور منبع واقع ہوئے ہیں کسی کٹر فردیت سے زیادہ پرچش شخص یا کشت دوزخ سے راحت حاصل کرنے والے فرد کو چاہے وہ حکومت میں ہو یا اس سے باہر پارٹی سے متعلق ہو یا نہ ہو، اس بات پر اسکا سکتا ہے کہ اس کے (فریادی کے) منظر سے غائب کرنے کی تمکین کرے۔ (دیوگرہ)

یکم نومبر ۱۹۷۵ کو سٹر سعید احمد خان (گواہ استغاثہ ۳) کے بیان کے دوران فاضل خصوصی دیکل استغاثہ مرحوم سٹر ایم آر سٹر سعید احمد خان (گواہ استغاثہ ۳) کے ذریعہ مذکورہ رپورٹ دستاویز کی حیثیت سے لانا چاہتے تھے۔ صفائی نے رپورٹ کے دستاویز کی حیثیت سے ریکارڈ پر لانے سے اتفاق کیا مگر عدالت نے فیصلہ کیا کہ وہ اس رپورٹ کی دستاویز کی حیثیت سے قبول نہیں کرے گی۔

۶۔ استغاثے نے کئی معاملات ریکارڈ پر لانے میں سٹر سعید احمد خان (گواہ استغاثہ ۳) کے ذریعے

ایسے حالات جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ رپورٹ وزیر اعظم کے خلاف تھی۔ اس لیے انہوں نے اس کی اشاعت کی اجازت نہیں دی۔ گواہ استغاثہ ۲ کے بیان کے متعلق جیسے ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

”جہاں تک مجھے یاد ہے ٹریبونل نے اپنا فیصلہ ۲۷ فروری ۱۹۷۵ کو دیا۔ اور میں نے وزیر اعظم کے لیے ایک رٹ ۲۸ فروری ۱۹۷۵ کو لکھا جو دستاویز پی ڈی بیو ۳/۳ میں صفحہ ۱۱۴ پر ہے۔ اسے دستاویز پی ڈی بیو ۳/۳ کے بطور نشان زد کیا گیا ہے۔ رٹ اس امر سے متعلق تھا کہ ٹریبونل نے ابتدائی مراحل کی تحقیقات میں نو گناہ شروں پر تنقید کی تھی۔ لیکن بعد میں دی ایس پی۔ سی آئی اے لاہور کی جانب سے ک جانے والی تحقیقات سے مطمئن معلوم ہوا ہے اس لیے میں نے سفارش کی کہ رپورٹ کے متعلق جیسے شائع کر دیے جائیں اس رٹ پر میں نے ۲۸ فروری ۱۹۷۵ کو دستخط کیے۔ وزیر اعظم کی اپنی تحریر میں ایک رٹ ہے جس میں کہا گیا



ہے کہ ”میں رپورٹ دیکھ لوں تب فیصلہ کروں گا۔“ میں اس رٹ پر وزیر اعظم کے دستخط اور ان کی تحریر کو نشاندہ کرتا ہوں جنہیں دستاویز پی ڈی بیو ۳/۳ کے بطور نشان زد کیا گیا ہے۔ یہ رٹ میرے پاس واپس آیا اور میں نے اسے خالی میں رکھا اور مہیا کر ہدایت کی گئی تھی میں نے ایک رٹ لکھا جس میں کہا گیا کہ ”اسے زیر غور رکھا جائے۔“

سوال ۱۰۔ آپ نے چیف میٹری جناب سے ٹریبونل کی رپورٹ کی نقل وصول کی یا نہیں؟ جواب ۱۔ میں نے اس وقت کے چیف میٹری جناب سٹر سردار حسن خان سے ایک ڈی او لیٹر وصول کیا جس کے ساتھ انہوں نے مجھے ٹریبونل کی رپورٹ کی ایک نقل ارسال کی۔ سٹر سردار حسن خان کے لیٹر جس پر ان کے دستخط کو میں شناخت کرتا ہوں کہ بطور دستاویز پی ڈی بیو ۳/۳ نشان زد کیا گیا ہے اس خط پر میں نے اپنے دفتر کو کہا کہ

اس رپورٹ کا ایک نسخہ مسودہ تیار کر کے جس کی اشاعت کی سفارش کی جائے۔ سردار حسن خان کے خط پر ۱۲ مارچ ۱۹۷۵ء کا رٹ جس میں مسودہ تیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے میری تحریر میں ہے۔ اور اسے بطور دستاویز پی ڈی بیو ۳/۳ نشان زد کیا گیا ہے۔

میں اس کیس کے سلسلے میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ حنیف رائے سے دو بار ملاقاتیں کرتا رہا ہوں سٹر حنیف رائے کی طرف سے وزیر اعظم کو لکھے جانے والا ایک ڈی او لیٹر وزیر اعظم کے ان ریکارڈس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا۔ آپ سے اس پر بحث کرنے کا مقصد کیا تھا؟ ہر رائے میرا ہی بات کریں۔ میں نے وزیر اعظم سے ملاقات کی۔ کیونکہ انہوں نے ہدایت کی تھی کہ اس معاملے پر اس سے بات کروں۔ اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ رپورٹ شائع نہیں ہوگی کیونکہ یہ مخالفانہ ہے اور یہ کہ میں اس معاملے سے مزید کوئی تعلق نہ رکھوں۔

اس وقت کے وزیر اعظم کے نام سٹر حنیف رائے کا خط میں نے دیکھا تھا جس کے ساتھ اس ٹریبونل کی ایک رپورٹ ملفوف تھی جس کے سربراہ سٹر حبش شفیع الرحمن تھے یہ خط اس وقت کے وزیر اعظم نے مجھے بھیجا تھا یہ خط مجھے ۱۹ مارچ ۱۹۷۵ کو ملا۔ (گواہ نے ہیون کب سے اپنی یادداشت کو تازہ کرنے کے بعد یہ بات کہی) میں وزیر اعظم کے پاس گیا۔ اور اس خط کے بارے میں ان سے بات چیت کی۔ اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس بات پر نظر رکھوں کہ یہ سب رپورٹ شائع نہ ہو۔ کیونکہ یہ مخالفانہ ہے۔

۷۔ گواہ استغاثہ ۳ کے بیان کے حوالا بالا حصوں کے علاوہ مقدمے کی کارروائی میں ادھر کی جگہوں پر اس رپورٹ کا حوالہ دیا گیا ہے صرف اس کتبہ نظر ہے کہ وزیر اعظم کے خلاف تھی۔ اور اسی لیے اس کی اشاعت کر دیا گیا۔ استغاثہ مختلف حالات کو ریکارڈ پر لایا ہے تاکہ یہ دکھائے کہ وزیر اعظم کو ٹریبونل کی تحقیقات کے نتیجے سے دلچسپی تھی۔ اس معاملے سے متعلق مبینہ طور پر سٹر سعید احمد خان اور عبد الحمید جوجہ کے پیش کردہ نوٹوں پر جاری کردہ ان کے (وزیر اعظم کے) احکام کو بھی ریکارڈ پر لایا گیا ہے۔ استغاثے کی طرف سے یہ بات بھی ریکارڈ پر لائی گئی ہے، جیسا کہ صفحہ ۳۸ پر موجود گواہ استغاثہ ۳ کے بیان سے ظاہر ہے، کہ درخواست گزار کے طرف سے انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ سٹر حبش شفیع الرحمان کی طرف سے ہونے والی عدالتی

این ڈی جی کے سربراہ سے نمائندہ الفتح کی ملاقات



دلخاں و ذات عظمیٰ کے لئے سب سے بہترین ہیں

ہمیں بلوچ فائدین کی رہنمائی کی ہمیشہ ضرورت ہے گی

میں سے بنائے گئے، پٹان روایتی طور پر بہت زیادہ مہمان نواز ہوتے ہیں غریب سے غریب پٹان مہمان کی بہت زیادہ خاطر کرتے۔ اپنی استطاعت سے کچھ کر لیکن باجوہ خان نے خدائی خدمتگاروں کو درس دیا کہ وہ اپنے تنہی دوروں کے سلسلے میں آگاہ و غیرہ اپنے ساتھ لیکر جائیں۔ اور غریب عوام پر بوجھ نہ بنیں۔ پٹان عوام نظم ہوئے تو انگریز خوف زدہ ہو گئے۔ انہوں نے اس تنظیم کے خلاف حربہ استعمال کیا، قصہ خرافی کو خون سے رنگ دیا۔ اور خفا خان کو گرفتار کر لیا، اس وقت پر سرحد کے عوام کا ارد کی ضرورت تھی، مال امداد کی نہیں بلکہ اخلاقی امداد کی غفار خان نے مسلم لیگ کو پیغام بھیجا کہ وہ انگریزوں کے مظالم اور تشدد کے خلاف احتجاج کریں، باقی ہندوستان اور برقی دنیا کو بتائیں کہ سرحد میں انگریز کیا کر رہے ہیں لیکن مسلم لیگ کے لوگوں اور جاگیرداروں نے کہا۔ دیوانے ہو گئے ہو، انگریز حکومت سے تعاون کرو۔ مسلم لیگ سے مایوس ہونے کے بعد غفار خان نے کانگریس سے رابطہ قائم کیا، کانگریس کے رہنما جن میں پنڈت ہرودجی شامل تھے سرحد کے حالات جاننے کے لئے آئے، انہیں ایک پرومک لیا گیا۔ ہرودجی کو گرفتار کیا گیا، لیکن کانگریس کے بعض رہنماؤں نے راولپنڈی میں قیام کر کے سرحد کے حالات کے بارے میں تحقیقات کیں۔ اخبارات میں بیانات دیئے، مضامین شائع کرائے۔ اور پمفلٹ اور کتابیں لکھیں یہاں سے خدائی خدمتگار راولپنڈی میں کانگریس میں داخلگی پیدا ہوئی قیام

کر پُر کرنے کے لئے سرور شیر باز مزاری نے این ڈی پی کے قیام کا اعلان کیا، بیگم نسیم دل اند کا عدم تنہی کے زیادہ ہمارکن اس جماعت میں شامل ہو گئے جنوری ۱۹۷۶ء میں پشاور میں این ڈی پی کا کنفرنس ہوا جس میں سر مزاری کو این ڈی پی کا صدر منتخب کیا گیا۔ جس دن خان عبدالولی خان اور ان کے چند ساتھیوں کو ضمانت پر رہا کیا گیا، اس دن ہم نے سر مزاری سے انٹرویو لیا۔ الفتح، دلی خان اور ان کے چند ساتھی ضمانت پر رہا ہو چکے ہیں کیا آپ انہیں این ڈی پی میں شمولیت کی دعوت دیں گے۔

سر مزاری کا عدم تنہی کے رہنما، عوام دوست، جمہوریت پسند اور قوم پرست ہیں انہوں نے ہر دور میں قربانیاں دی ہیں، قید و بند کے مصائب برداشت کیے لیکن اصولوں پر قائم رہے، ان سے انحراف نہیں کیا، ان لوگوں کا بنیادی مقصد ملک اور قوم کی خدمت کرنا ہے سرحد کی سیاست میں باجوہ خان، غفار خان کے کردار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بنیادی طور پر قوم پرست ہیں، انہوں نے پٹانوں کو نظم کیا، عدم تشدد کی تعلیم دی گاؤں گاؤں گئے، فرسودہ روایات اور خرافات کے نثر کے خلاف آواز اٹھائے، جن کے نتیجے میں پٹانوں میں سیاسی شعور پیدا ہوا، مغربیوں میں خود اعتمادی آئی خدائی خدمتگار کے سالار عوام ترکان دوزی اور اس طرح کے پیشہ ور افراد

سرور شیر باز مزاری نے اس وقت وادی سیاست میں قدم رکھا جب وطن عزیز پر نوجو آمریت کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ایوانی آمریت شہاب پر تھی۔ سرور دار الیوب خان کو ایشیا کا ڈیکال کہتے تھے اسلام آباد میں صلاح الدین الیوبی کی جھلک پاتے تھے اور ذرائع ابلاغ اس کے سزا انقلاب کو قوم کی راہ نمائے بتاتے تھے اس گھٹن میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح عوام کو آمریت کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے میدان میں آئیں ۱۹۷۲ء کے صدارتی انتخابات میں الیوب خان کو شکست کا، جمہوریت کی کرن پیدا ہوئی، جن جمہوریت پسندوں نے محترمہ کا ساتھ دیا اور ان کے لئے کام کیا، ان میں سرور شیر باز مزاری بھی شامل تھے۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے حقہ لیا اور ڈیرہ غازی خان سے ترقی اسمبلی کے مکن منتخب ہوئے، یہاں وہ روایتی رہی بے کراں دار کاں اہلی برسر اقتدار پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں یا ہمیشہ اس کے حق میں تقریریں کرتے ہیں اور ووٹ دیتے ہیں، مگر سر مزاری نے اس روایت کو توڑا، آزاد کن کی حیثیت سے حزب اختلاف کا ساتھ دیا، اور متحدہ جمہوری محاذ میں بھی شامل ہوئے جب نومبر ۱۹۷۶ء میں پروم کو روٹنے نیپ کو غیر قانونی جماعت قرار دیا تو اس سے ملک اور خصوصاً بلوچستان اور سرحد میں سیاسی خلا پیدا ہو گیا، اس خلا

پاکستان کے بعد غفرانے آئین ساز اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے حلف رفاہی اٹھایا۔ اس کے باوجود حکمران طبقات نے انہیں ملک کی نظروں سے دیکھا۔ "غدار" پاکستان دشمن کہا۔ دلی خان کے بارے میں بعض اسی وجہ سے کردہ غفران کے بیٹے میں "غدار" کا پس منظر لگا دیا حالانکہ دلی خان محب وطن ہیں۔ قومی سیاست میں ان کا بہت بلند مقام ہے اور میرے خیال میں مضر جھوٹا اگر کوئی مد مقابل ہو سکتا ہے تو وہ دلی خان ہیں۔ اور میں انہیں وزارت عظمیٰ کے لیے سب سے بہتر من سیاست دان سمجھتا ہوں۔ این ڈی پی میں ان کی شمولیت ہمارے لیے باعث اعزاز اور فخر ہوگا۔ میں اس کے صلاح مشورے کی ہمیشہ ضرورت رہے گی۔ اور قومی سیاست میں ان کا کردار "بزرگ سیاست دان" جیسا ہوگا۔

جہاں تک کالعدم نیپ کے بروج نہادوں کا تعلق ہے انہوں نے ہمیشہ عوام کے حقوق اور جدوجہد کیلئے جدوجہد کی ہے میر غوث بخش بزنجو اور میر گل خان نصیر نے تقسیم ہند سے قبل ریاست قلات میں جدوجہد کی اور اس کے نتیجے میں قلات میں پارلیمان تشکیل پائی۔ انہوں نے ہمیشہ جمہوریت کے قیام کے لیے قربانیاں دیں۔ ایلی آمریت کے خلاف جدوجہد کی میر غوث بخش بزنجو، سوار، عطاء اللہ منگل، قزم پرست اور ترقی پسند ہیں۔ ناب خیر بخش نری مارکس ہیں یہ تمام رہنما جو چین میں بہت مقبول ہیں۔ ان کے پیرو ہیں اور انہوں نے یہ مقام جدوجہد سے حاصل کیا ہے یہ ہمارے محترم رہنما ہیں۔ این ڈی پی کو ہمیشہ ان کی رہنمائی کی ضرورت رہے گی۔

الفح۔ لیکن کالعدم نیپ قومیتوں کے حقوق اور صوبائی خود مختاری کی علمبردار ہے۔ اور اس کے بارے میں واضح موقف رکھتے ہیں کیا آپ کا بھی یہی موقف ہے؟

مطر مزاری۔ این ڈی پی کے مشترک صوبائی خود مختاری علاقائی زبانوں اور ثقافت اور نسلی کی فروغ کی بات رکھی گئی ہے۔ قزم اور قومیت کے بارے میں بعض طبقات الرجک ہیں۔ سرکاری کاغذات خصوصاً دفتر مال کے کاغذات میں ایک کالم "قزم کا ہوتا ہے لوگ اس میں شیخ، راجپوت، آرائیں یا جاٹ" لکھتے ہیں۔ پنجاب میں مختلف برادریاں مثلاً راجپوت، جاٹ اپنے آپ کو "قزم" کہلاتی ہیں اور لکھتی ہیں۔ ہم زمرن چھوٹے صوبوں کے عوام کے لیے سیاسی اقتصادی اور معاشرتی حقوق چاہتے ہیں۔ بلکہ پنجاب کے لیے بھی اپنی حقوق کا مطالبہ

کرتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ پنجابی زبان، ثقافت اور نسلی کو فروغ دیا جائے اسی طرح ہم صوبائی خود مختاری کے حامی ہیں۔ کچھ عرصے قبل ایک جرنل نے "دن اینڈ نائٹ" کے بارے میں رائے پر بھی تھی۔ میں نے جواب دیا تھا کہ ہونڈیٹ کی مخالفت کریں گے۔ این ڈی پی ہر اس اقدام کی مخالفت کرے گی جس سے صوبائی خود مختاری پر زور پڑتی ہو۔

الفح۔ نیپ سیکرٹری کے حامی تھے کیا این ڈی پی بھی یہی رجحان رکھتی ہے؟

مطر مزاری۔ این ڈی پی کے مشترک میں کہا گیا ہے کہ قرآن اور سنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا ہم مذہبی آزادی کے حامی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مذہب انسان اور خدا کے درمیان ایک ذراۃ مسا ہے اور اس میں ریاست کو مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔

الفح۔ کیا آپ این ڈی پی میں دیگر ترقی پسند عناصر کو شمولیت کی دعوت دینا پسند کریں گے اور کیا ترقی پسند اور سراج دشمن طلباء تنظیموں کا تعاون حاصل کریں گے؟

مطر مزاری۔ ہماری جماعت جمہوریت اور ترقی پسند اور قوم پرست تنظیم ہے۔ میرے خیال میں غلغلہ اور انقلاب ترقی پسند اور قوم پرست افراد یا گروہ کے لیے این ڈی پی ہی سب سے زیادہ مناسب جماعت ہے۔ جہاں تک طلباء تنظیموں کا تعلق ہے بروج پشور ٹیوشن اور گائرشین ہم سے تعاون کر رہی ہے۔ یہ سمارج دشمن طلبہ کی جماعت ہے۔ اس کی قیادت اور کارکنوں نے ہر دو میں بڑی قربانیاں دی ہیں۔ تیردہ ہند کے مصائب برداشت

کیے ہیں۔ وہ قابل احترام لوگ ہیں اپنے نظریات سے غلغلہ میں اور حقیقی مسزوں میں عوام کے لیے کام کرتے ہیں۔

الفح۔ حال ہی میں آپ نے پنجاب کا دورہ کیا تھا اس میں کہاں تک کام کیا ہوئی؟

مطر مزاری۔ پنجاب پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے قومی اسمبلی میں اس کی نشستوں کی تعداد ۱۱۱ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی تحریک پنجاب میں چلتی ہے حکومت کو کھٹکنا پڑتا ہے بلوچستان کے عوام ایوب خان کے دور میں ہر سیک ملک میں جدوجہد کرتے رہے پیپلز پارٹی کے صدرین ساڑھے چار سال تک جدوجہد کرتے رہے لیکن اس کا اثر دوسرے صوبوں میں محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔ ارج، ۱۹۷۷ء کے دوسرے بجٹ میں کراچی اور حیدرآباد میں تحریک چلی لیکن ارباب اقتدار اس سے حس نہ ہوئے۔ لیکن جب پنجاب جاگا تو حکومت نے گٹھے ٹیک دیے۔ اور بالآخر اس کا نتیجہ قومی اتحاد میں نکلا۔ ان سب کے پیش نظر ہم سمجھتے ہیں کہ پنجاب ہی قومی سیاست میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے گزشتہ ماہ بیگم نسیم دلی اور میں نے تقریباً آدھے پنجاب کا دورہ کیا۔ ہر جگہ ہمارا خیر مقدم کیا گیا۔ حکمران جماعت کا پھیلا ہوا تاثر کہ پنجتون اور بروج رہنما علیحدگی پسند ہیں پنجاب میں اب زائل ہو رہے ہیں۔ پنجاب میں دلی خان کے بارے میں بھی ہمدردانہ جذبات پیدا ہوئے ہیں۔ بہت سے نو جوان کارکن ہماری پارٹی میں شامل ہوئے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ بہت جلد این ڈی پی پنجاب میں نمایاں مقام پیدا کرے گی۔

بنک ملازمین اور ویج کمیشن

محور عارف الیسی ایٹ جرنل سیکریٹری، اسٹیٹ بینک، اسلام آباد

ویج کمیشن کا قیام، یونینوں کے حق سوداکاری کی نفی

ہیں لیکن ہر قدم پر ان کی راہ میں کئی دیواریں مائل رہی ہیں۔ جن سے مسئلہ بروز آ کر آج ہر ان کی جدوجہد کا مستقل متع نظر آ رہا ہے۔ ویج کمیشن اب زمین میں اور حالیہ دور کی ایک ایسی رکاوٹ ہے جسے ملازمین کی جانب سے روکے جانے میں ان کا تجربہ سب سے بڑی کسوٹی ہے آج جب ان کی جانب سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ حکومت بینک

پاکستان کے طلباء میں پھیلے ہوئے بیگن اور ایالتی اداروں کے تقریباً ایک لاکھ ملازمین کا مسئلہ اتھاق ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے روگردانی کسی بھی حال میں ممکن نہیں ہے آج یہ تلخ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ ان اداروں کے ملازمین ان کے قیام کے اولین روز سے اور خصوصیت سے ۱۹۷۶ء کے آخر سے اپنے حقوق کے حصول کے لیے کوشاں ہیں

لازمین کے لیے دیکھ کشین تشکیل نہ دے اور ان کی نمائندہ انجمنوں کو ان کے تمام سماجی پر بات چیت کا قانونی حق دے تو ایسا کہنے میں وہ قانون اور اخلاقی رد و نوازیہ نگاہ سے حق بجانب ہیں۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو اس سر نو تشکیل دیا جانے والا دیکھ کشین بینک لازمین کے لئے بٹھائے جانے والے اسی نوعیت کا دوسرا کشین ہے حکومت کی جانب سے اس کے اعلان کے ساتھ یہ تفصیل دی گئی ہے کہ کشین لازمین کی اجازتوں اور شرائط ملازمت کا جائزہ لے کر ان کا سر نو تعین کرے گا۔ لیکن کیا واقعی ایسا ممکن ہے یہ بہت طویل سوال ہے کیونکہ ہماری نظر میں ہر وہ ادارہ جو متضاد قومی ڈھانچے پر قائم ہو کبھی بھی مثبت نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ آئیے ان قانونی بنیادوں کا جائزہ لیں جن پر کشین کا ڈھانچہ تعمیر کیا گیا ہے کیونکہ اس طرح سے ہم اس کے حقیقی خدوخال سے آگاہ ہو سکیں گے۔

بینکوں اور مالیاتی اداروں کے لیے تشکیل شدہ دیکھ کشین کا پورا ڈھانچہ صنعتی تعلقات کے آرڈیننس مجریہ ۶۹ کے سیکشن ۳۸ پر مبنی ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کا اطلاق صرف ایسی انجمنوں پر ہوتا ہے جو آرڈیننس کے تحت رجسٹرڈ ہوں۔ آرڈیننس کے تحت کسی انجمن کو رجسٹرڈ کرانے کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک ادارے کے لازمین پر مشتمل ہو اور اس کے آئین میں اپنے نمبر ان کو باضابطہ طور پر مادی تحفظ کا یقین دلایا گیا ہو اس مقصد کے لیے ہر اس ادارے میں جہاں ایک یونین ہوں وہاں لازمین کے معاشی اور دیگر مفادات پر اجتماعی سرورے کاری کے حقوق ایسی یونین کو تفویض ہوتے ہیں اور جن ادارے میں انجمنوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے وہاں اجتماعی سرورے کا ہونے کا تعین ریفرنڈم کے ذریعے کیا جاتا ہے آرڈیننس میں اجتماعی سرورے کاری کی واضح تعریف یہ ہے کہ اس کا مقصد ملازمین کے تمام شرائط کا کوئی رجسٹرڈ لاا ادارہ نہیں ملے کر ہے۔ انجمنوں کی یہ قانونی ترجیحہ اور ان کا طریق کار اب ایک ایسی مالگیر روایت کا حقیر بن چکا ہے جسے تمام مہذب اقوام کی ترقی حاصل سے آج اگر کوئی اس سے روگردانی کرے تو اسے تراش کا مطلب صاف ہے کہ وہ مزدور انجمنوں کے بنیادی تصور کو ہی جھٹلا رہا ہے۔ اب جبکہ بینکوں اور مالیاتی اداروں کے لیے قائم کردہ دیکھ کشین ان اداروں میں اجتماعی سرورے کا

انجمنوں کے اسی بنیادی حق پر غرض نگاہ سے لہذا اس کی عام کردہ تمام پابندیاں اور خدو اس کا قانونی جواز قطعی غیر قانونی نظر آتا ہے۔

دیکھ کشین کے حق میں آرڈیننس کے سیکشن ۳۸ کے تحت دائیں کہا گیا ہے کہ حکومت جب ضروری سمجھے سرکاری گزٹ میں دیئے گئے نوٹیفیکیشن کے ذریعے آرڈیننس کی گنجائشوں سے مطابقت کرتے ہوئے بینک لازمین کی اجازتوں کی شرح کا تعین کرنے کے لیے اور دیگر تمام شرائط کا طے کرنے کے لیے ایک دیکھ کشین کو تشکیل دے سکتے ہیں۔ یہاں آرڈیننس کی گنجائشوں سے مطابقت پیدا کرنے کی بات کی گئی ہے لیکن یہ یونین ہی اس صورت کی نفی ہے کیونکہ آرڈیننس کا بنیادی مقصد مزدور انجمنوں کے حقوق کا قانونی تحفظ بیان کیا گیا ہے جبکہ یہاں ان ہی حقوق کو سلب کر کے انہیں کشین کو تفویض کر دیا گیا ہے۔ آگے چل کر اسی سیکشن کی تحت نمبر تین میں کہا گیا ہے کہ

مسودہ ایات کے برخلاف کشین نے اصل کردہ سہولتوں میں تخفیف کی

کشیں اپنے قیام کے دن سے لے کر چھ ماہ کی مدت میں اپنا فیصلہ دینے کا پابند ہے اور اس مدت میں مزید چھ ماہ کا اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ دیکھ کشین کے قیام کا اعلان ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ہوا تھا اس طرح قانونی طور پر یہ ۲۷ اپریل ۱۹۶۸ء تک رپورٹ دینے کا پابند ہے جبکہ ادھر حکومت کے ایک حالیہ اعلان میں کہا گیا ہے کہ اس کے کشین کو اپنی رپورٹ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۷ء سے پہلے وزارت خزانہ کو بھیجنے کے لیے کہلے تاکہ اسی سال اسے شائع کر دیا جائے۔ عملی اور منطقی نقطہ نظر سے ادھر چھ ماہ کی قانونی مدت کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نظر نہیں آتا ہے کہ کشین ۳۱ دسمبر ۱۹۶۷ء سے پہلے اپنی رپورٹ مرتب کرے گا۔ ادھر یہ حقیقت حال بھی ہمارے سامنے ہے کہ کشین نے ۱۹۶۷ء میں اپنی رپورٹ بھیجنے والا پہلا دیکھ کشین چھ ماہ کی مدت میں اپنی رپورٹ تیار نہیں کر سکا تھا۔ اور اس کی مدت میں ۶ ماہ کا اضافہ کرنا پڑا تھا۔

اسی طرح آرڈیننس کے سیکشن ۳۸ میں کہا گیا ہے کہ کشین اگر ضروری سمجھے تو دیگر اداروں اور متعلقہ اداروں کی شرح اور شرائط کا رپورٹ کی تیاری میں زیر نظر رکھ سکتا ہے اس پر سیکشن میں کہیں کشین کو اس بات کے لیے پابند نہیں کیا گیا اور نہ ہی کوئی ایسا باضابطہ طریقہ کار وضع کرنے کی ضرورت سمجھی گئی ہے جس کے تحت مزید ان اداروں کی نمائندہ انجمنوں سے رابطہ قائم کرے اور حقیقت حال سے آگاہ ہو۔ بینکوں میں کئی انجمنوں کی جانب سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ انہیں دیکھ کشین میں نمائندگی دی جائے۔ لیکن نمائندگی کو رد کرنے کی بات رہی خردان سے رسمی رابطہ قائم کرنے کے لیے بھی دیکھ کشین قانونی طور پر پابند نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ سابقہ دیکھ کشین نے اپنی رپورٹ میں بینکوں کی سوا انجمنوں سے مشاورت کا ذکر کیا ہے لیکن اول تو یہ طے نہیں کر سکتا کہ انجمنیں کیا واقعی اجتماعی سرورے کا رشتہ اور دوم یہ بات کہ رپورٹ کی اشاعت کے بعد صاف ہو گئی تھی کہ یہ ملاقاتیں قطعی رسمی تھیں۔

آرڈیننس کے سیکشن ۳۸ کی تحت ۱ میں یہ کہا گیا ہے کہ کشین کے فیصلے اس کی اشاعت کی تاریخ سے یا اس میں درج تاریخ سے نافذ ہوں گے۔ اور ان فیصلوں کا اطلاق تین سال کی مدت کے لیے ہوگا۔ آج ضروری طور پر کچھ ملکوں کی جانب سے یہ بات بھی جاری ہے کہ پہلے دیکھ کشین کی رپورٹ یکم جنوری ۱۹۶۸ء کو لازماً نافذ ہوگی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس پر سیکشن میں کہیں یہ بات درج نہیں ہے اور کشین کو یہ حق مکمل طور پر حاصل ہے کہ وہ جن تاریخ سے جاسے اپنے فیصلوں کے نفاذ کا اعلان کر سکتا ہے اسی سیکشن کی تحت ۲۱ انتہائی مہلک نتائج کی حامل ہے کہ چونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی ایسے ضلع کے ضمن میں صنعتی تنازعہ نہیں اٹھایا جاسکتا جو دیکھ کشین کے زیر نظر ہو یا اس ضلع میں اس کے فیصلوں پر عملدرآمد ہو رہا ہو۔ یوں صورت حال کو قانونی طور پر منجمد کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ عام شاہدے کی بات ہے کہ تبدیل پذیر حالات اور ہنگامہ کے ذبردست دباؤ کے پیش نظر ہر لمحے اجازتوں کی شرح اور شرائط کا کاروبار تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن اس قانون کے تحت انجمنوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ ان تمام سماجی پر کسی قسم کا اعتراض نہ کری جن میں خصوصیت سے معاشی مطالبات شامل ہیں اس طرح چار سال کی طویل مدت تک

ان سا کی کو غیر متنازعہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے
(ا) اس میں کمیشن کے رپورٹ مرتب کرنے کی مدت جو
قانونی طور پر ایک سال ہو سکتی ہے اور رپورٹ کے نفاذ کی
تین سالہ مدت شامل ہے، یہ ایک ایسا عظیم الشان قانون
ہے جس کی نظیر خود انجمن اور تنظیم کے مابین
معاہدات میں بھی نہیں ملتی۔ ان تمام معاہدات میں لازماً یہ
شرط ہمیشہ شامل رہتی ہے کہ یہ معاہدہ مادی حالات میں
تبدیلی کی مناسبت سے کبھی کبھار دوبارہ زیر بحث
لا کر ترمیم دینے کے مراحل سے گزارا جاسکتا ہے۔
لگے چل کر کمیشن ۲۸ ڈی مئی ۱۹۵۷ء میں کہا گیا ہے کہ
کمیشن کے فیصلے ایک ایوارڈ تصور ہو گئے۔ اور اسی
صورت سے نافذ ہو گئے۔ اس سے قبل آرڈیننس میں
ایوارڈ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "ایوارڈ کا مطلب
لیبر کورٹ، ثالث یا اپیلیٹ ٹریبونل کا کسی صنعتی تاجر
یا اس سے متعلق کسی شخص کے قانونی کرنامے جبکہ آرڈیننس
کے مطابق صنعتی تنازعہ سے مراد وہ تنازعہ ہے جو
آجروں و مزدوروں کے مابین ہوا جس کا تعلق روزگار یا
بے روزگاری، شرائط روزگار اور کسی بھی شخص کے شرائط
کار سے ہو۔ اس طرح حتمی نتیجے میں ایوارڈ کا مطلب
آجروں و مزدوروں کے مابین صنعتی تنازعہ کو نظر رکھتے ہوئے
فیصلہ صادر کرنا ہے لیکن درج کمیشن کی مشقوں میں ایسا
کرتی تصور موجود نہیں ہے۔ یہاں کمیشن مزدور انجمن کو
اپنے سا کی صنعتی تنازعہ کی شکل میں پیش کرنے کا مقصد
نہیں دیتا ہے۔ لہذا کمیشن کا فیصلہ آرڈی ننس کے لیے
قوانین کی روشنی میں ایک آمرانہ اور یکطرفہ فیصلہ تو
کہا جاسکتا ہے لیکن اسے معائنہ فیصلہ تو روزگار کی بات
رہی ایوارڈ کا نام بھی نہیں دیا جاسکتا۔

اس کے تحت کمیشن اپنے فیصلوں سے کسی بھی مابقیہ حالت
پر اثر انداز ہو سکتا ہے اس طرح اس قانون کے ذریعے
اس بن الاقوامی قانون کی دھجیاں بکھری گئی ہیں کہ سابقہ
وکی گئی مراعات کسی بھی حال میں واپس نہیں ہو سکتیں اس
قانون کے ذریعے ٹیکوں اور مالیاتی اداروں کے ملازمین
کے مفادات پر جون ۱۹۵۷ء میں ایسی ضرب لگائی گئی تھی
جن کی لافانی ناممکن ہے حکومت کی جانب سے کسی بار
دعوہ کیا گیا ہے کہ تمام مزدور دشمن قوانین کو ختم کر دیا

جائے گا۔ لیکن یہ دعوہ ابھی تک دعوہ فروا بنا رہا ہے
حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے پیرائے دعوے پر فورا
عمل کرے کیونکہ یہ سب ملازمین کا متفقہ فیصلہ ہے اور
گزشتہ کئی سالوں سے وہ اس مقصد کے لیے جہد کر رہے
ہیں وہ اپنے طور پر اس بات سے باخبر ہیں کہ آرڈیننس
کے سکشن ۳۸ پر استوار ہونے والی ریج کمیشن کی طاقت
ان کے سا کی حل کرنے کی اہل نہیں ہے لہذا اس کا مکمل
خاتمہ ہی ان کے مفروضات مقبول کی ضمانت ہے۔

یونائیٹڈ ورکرز فیڈریشن

نیشنلائزڈ اینڈ سٹریز کے خلاف پروپیگنڈہ سرمایہ داروں کی سازش

گزشتہ دنوں یونائیٹڈ ورکرز فیڈریشن کی گورننگ باڈی کی میٹنگ ہوئی تین اجلاس ہوئے جن میں مزدوروں کے مسائل، صنعتی حالات
اور ملکی صورت حال کا جائزہ لیا گیا۔ تجزیہ کیا گیا اور درج ذیل تشریحات میں منظور کی گئیں

ہڑتال کا غیر مشروط حق دیا جائے

قرار دیا گیا کہ یونائیٹڈ ورکرز فیڈریشن کی گورننگ باڈی
کے تیسرے اجلاس کی رائے میں ہڑتال کے حق کے بغیر
ٹریڈ یونین تنظیمیں سودا گاری کے حق سے قطعاً محروم رہ جائیں
ہیں و صرف یہ بلکہ مزدوروں کے روزمرہ کے مسائل کا حل
اور قانونی حقوق کی حفاظت کے لیے ان کیلئے ناممکن ہو جاتا
ہے۔ مارشل لاء ریگولیشن کے ذریعہ ہڑتال پر پابندی کے
بعد آجروں نے مزدوروں کے خلاف بڑے پیمانے پر
انتقامی کارروائیاں شروع کر رکھی ہیں جھانچ لے آف
اور غیر قانونی طریقوں کے ذریعہ مزدوروں کو بے روزگار
کیا جا رہا ہے۔ سرگرم مزدور کارکنوں اور ٹائڈوں کے
خلاف آجروں کی جبری رپورٹوں پر قید اور کوڑوں کی سزا
دیا کر دی گئی ہیں مزدور اپنے قانونی واجبات
حاصل کرنے میں ناکام ہوتے جا رہے ہیں۔ آجروں کے
روپیہ میں منفی تبدیلی کی وجہ سے مزدوروں کے جائز مطالبات
کو تسلیم کرنے سے انکار کے نتیجے میں مزدوروں میں
محنت بے چینی پھیلتی جا رہی ہے۔

یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ غیر مشروط طور پر
ہڑتال کا حق فورا بحال کیا جائے جن مزدوروں کو
ملازمت سے علیحدہ کیا گیا ہے انہیں کام پر واپس لیا
جائے۔ سابقہ حکومت کے دور میں جو کارخانے بند ہو گئے

تھے انہیں دوبارہ چالو کیا جائے نجی عداوتوں کی طرف
سے دی گئی سزاؤں کو منسوخ کیا جائے مارشل لاء کے
ضابطہ نمبر ۲۵ کے تحت لگائے جانے والی پابندی
یا کسی کارکنوں پر ختم کی جائے۔ مارشل لا ریگولیشن
نمبر ۱۲ واپس لیا جائے۔ نیشنلائزیشن کے سیکرٹیری
مالیات ریاض پاشا کو رد کیا جائے۔

تیسرا دوا ۳۰۔ یہ اجلاس ای ام پرگری
تشریحات کا اظہار کرتا ہے کہ بعض مخصوص مفادات
سے تعلق رکھنے والے حضرات نے قومی ملکیت میں
لیے گئے اداروں کو سرمایہ داروں کو واپس کرنے
کی غرض سے ترمیم کیے گئے اداروں کے خلاف گمراہ کن
پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے جن کا مقصد ارتقا کے عمل
کو روکنا اور قومی ملکیت میں لیے گئے اداروں کو چند
خاندانوں کی لوٹ کھسوٹ کا ذریعہ بنانا ہے۔ اس
اجلاس کی رائے میں ان اداروں کی انتظامی خرابیاں
کو دور کیا جائے تاکہ وہ قومی حیثیت کے لیے مزید بہتر
اور فائدہ مند بنائے جاسکیں۔ لیکن کسی بھی صورت میں قومی
ملکیت میں لیے گئے اداروں کو چند خاندانوں کی لوٹ
کھسوٹ کا ذریعہ بنانا ہے۔

ایسا اجلاس کی رائے میں ان اداروں کی انتظامی
خرابیاں کو دور کیا جائے تاکہ وہ قومی حیثیت کے لیے

مزید بہتر اور نادمہ مند بنائے جاسکیں، لیکن کسی بھی صورت میں تہی ملکیت میں لے گئے، اداروں کو سرمایہ داروں کے حوالے نہ کیا جائے۔

قرار داد ۱۔ ای اجلاس کی رائے میں وطن عزیز کی ترقی اور خوشحال کیلئے معاشی استحکام بنیادی شرط ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ سیاسی عمل جاری رہے اس لیے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ تمام سیاسی لیڈروں، کارکنوں، طالب علموں کو دیا جائے جلاز جلاز منفضانہ آزمائش امتحانات کرے جائیں اور عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی میں تاخیر نہ کی جائے۔

قرار داد ۲۔ ای اجلاس کی رائے میں ایک جمہوری معاشیے میں اظہار رائے اور صافیت کی آزادی کو کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ روزنامہ اہلال پاکستان، نفرت، اور دیگر اخبارات سے تعلق رکھنے والے منت کثروں کے روزگار کے تحفظ کی ضمانت لی گئے

قرار داد ۵۔ یہ اجلاس بڑھتی ہوئی کمر ٹوٹ منہنگائی پر گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ بڑھتی ہوئی منہنگائی کی روک تھام کی جائے مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے ٹرانسپورٹ کے کرایوں میں یکطرفہ اضافے کو واپس لیا جائے۔

قرار داد نمبر ۶۔ یہ اجلاس ایچ ایم اقبال کو مل ماشر و خانوٹ دلیو لاہور اور سینڈرز ٹیڈیڈ جانوٹ کی انتظامیہ کی جانب سے مزدوروں پر ظالمانہ انتقامی کارروائیوں اور ان کی مزدور دشمن سرگرمیوں کی شدید مذمت کرتا ہے

یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ ایچ ایم اقبال کو مل سٹند لٹیڈ اور لیوٹ کی انتظامیہ کے غیر قانونی کے خلاف سخت کارروائی کی جائے اور نظام سے نجات دلائی جائے۔

قرار داد ۷۔ یہ اجلاس شہر ترقی پسند صافی اریب خباب ابراہیم جلیس کی اچانک انتقال پر پر غم رہے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور ان کے لواحقین سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

میں عوام کو شکلات ہوتی ہیں تو بھلا انہیں کیا پڑی ہے کہ

وہ خواہ مخواہ درد دوسری مول لیں۔ ناجائز کمائی نے انہیں فرض سے اعجاز برتنے لاگو کر رکھا دیا ہے۔ انہیں سنا کہ امر یہ ہے کہ سڑکوں کی تعمیر و مرمت میں ٹھیکیداری کے "فرائض" بھی خود انجام دیتے ہیں۔ ایسے بدعنوان افراد کو جب عوام کے مسائل کے حل کی ذمہ داری سونپی جائے گی۔ تو وہ کس قدر عقید اور کارآمد ہوں گے اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل بات نہیں۔ جی ٹی ٹھیکیدار صرف کمیشن وصول کرنے کے لئے ہوتے ہیں نتیجتاً یہاں کی سڑکیں پختگی حاصل کرنے کی بجائے گڑھوں اور کھڑوں کا نمونہ بنی ہوئی ہیں۔

ان خراہوں نے جو بیلدار مقرر کر رکھے ہیں وہ بیلدار کم اور بیلکار کیمپ کے مظالم میں زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے ہم گھنے ڈیوٹی لی جاتی ہے۔ بعض اوقات انہیں بھوکا پیاسا رکھ کر ان سے غیر قانونی کام لیا جاتا ہے۔ ایک بیلدار کو ایک ہی دن میں کئی جگہوں میں ڈیوٹیاں دینی پڑتی ہیں۔ کیا اس خورکاری کا کوئی احتساب ممکن ہے؟ کتنی انہیں سنا کہ بات ہے کہ اس متمدن دنیا میں بیلداری کے نام پر سینکڑوں مزدوروں کو غلام بنا کر رکھا گیا ہے۔ کیا محکمہ روڈ کے کارپرداز اس سوال کا جواب دیں گے کہ ساٹھ ٹن ذرا ب شاہ سڑک، ساٹھ ٹن میر پور خاص سڑک، ساٹھ ٹن حیدر آباد براستہ ٹنڈ آدم سڑک، ساٹھ ٹن ڈاڈم براستہ سرائی سڑک، ساٹھ ٹن کچھوہ براستہ سندھری گاؤں سڑک، ساٹھ ٹن کچھوہ براستہ پیر مل سڑک، ساٹھ ٹن ڈاڈم مٹھا خان سڑک، ساٹھ ٹن شہدادپور براستہ سچوہ سڑک، ساٹھ ٹن ہیڈ جڑاڈ سڑک کی تعمیر و مرمت پر جو کروڑوں روپے دیتے گئے وہ کہاں خرچ ہوئے۔ اور تم کا کتنا حصہ پہنچ گیا کیا؟ اگر یہ الزام غلط ہے تو مذکورہ سڑکیں ذرا ب حالی ٹیک کیوں پیچیں اور اس کے ذمہ دار کون لوگ ہیں؟ کیا احتساب کا رخ ادھر بھی ہو گا؟

بقیہ ستر صفحہ کی درخواست

تحقیقات کے سلسلے میں لاہور جاتی کیونکہ ٹریبونل کے سامنے کارروائی کے دوران درخواست گزار کا نام لیا جا رہا تھا۔

۸۔ ۲۶ نومبر ۱۹۷۷ء کو جبکہ ستر احمد رضا قاضی کو گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا تھا۔ تاکہ صفائی کی طرف سے بقیہ جرح کی تکمیل ہو سکے۔ صفائی کی طرف سے درخواست کی گئی کہ گواہ کے اس بیان کی نقل جو ستر جسٹس شفیع الرحمن نے تلبند کیا تھا۔ اور جس کا ذکر رپورٹ کے پیرا گراف

۵ اس میں کیا گیا ہے، صفائی کو فراہم نہیں کی گئی ہے اور اگر اجازت دی جائے تو درخواست گزار کے وکیل مذکورہ گواہ پر اپنے ٹوکلی کی موجودگی میں جرح کرنا پسند کریں گے۔ اس پر استغاثہ کے ناضل خصوصی دیکار میں سے ایک سٹر اے ایم اے رحمان نے عدالت کو اطلاع دی کہ ان کی اطلاع کے مطابق اس طرح کا کوئی بیان ٹریبونل کے ریکارڈ میں دستیاب نہیں ہے بہر حال عدالت نے ازراہ کم مذکورہ گواہ پر جرح ملتوی کر دی۔

۹۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ استغاثہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ وہ ستر احمد رضا قاضی کے اس بیان کو جس کا خلاہ ٹریبونل کی رپورٹ کے پیرا گراف ۵ میں دیا گیا ہے تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں یہ لازمی ہو گیا ہے کہ ستر جسٹس شفیع الرحمن کے سامنے دیئے گئے گواہ استغاثہ کے سابقہ بیان کی ذیلی شہادت کو اس مقدمے میں ریکارڈ پر لایا جائے تاکہ گواہ سے تقابلی کرایا جائے۔

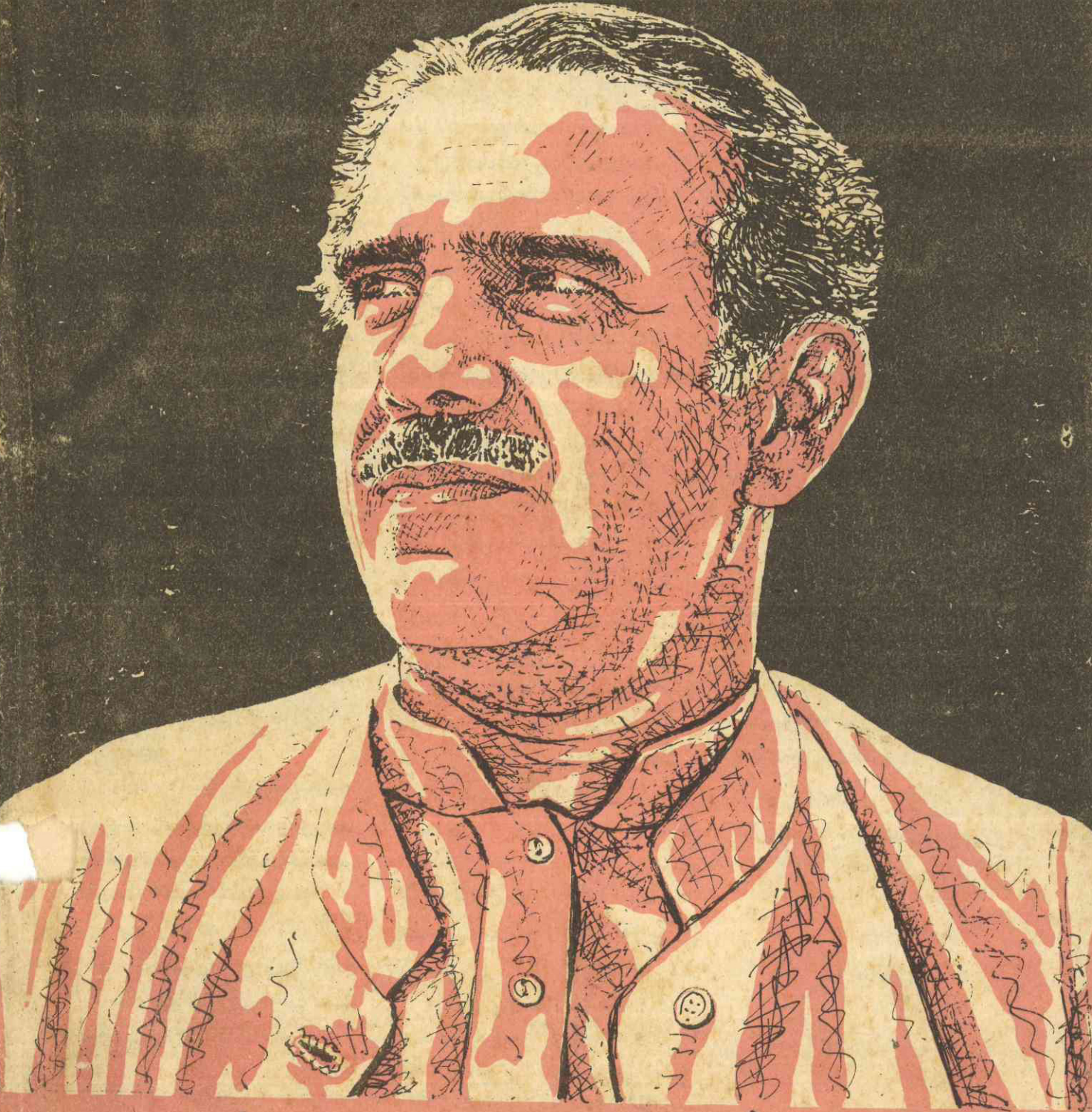
انہیں حالات انتہائی مودبانہ گزارش ہے کہ رپورٹ کی نقل جو کہ استغاثہ پہلے ہی پیش کر چکا ہے بمعہ چالان برائے ہر بان ان مقدمے کے ریکارڈ میں دستاویز کے طور پر لائی جائے اور انصاف کے مفاد میں ستر جسٹس شفیع الرحمن کو عدالتی گواہ کے طور پر طلب کیا جائے تاکہ اسے ثابت کیا جاسکے۔

مزید گزارش ہے کہ دیسی آنا صفائی کی اجازت دی جائے کہ گواہ ستر احمد رضا قاضی (گواہ استغاثہ ۱) کے سابقہ بیان جیسا کہ رپورٹ کے پیرا گراف ۱۵ میں حوالہ دیا گیا ہے، متقابل کیا جاسکے۔ یا متبادل صورت میں اس نکتے پر بقیہ جرح براہ ہر بان ستر جسٹس شفیع الرحمن کی شہادت تلبند ہونے تک کے لئے ملتوی کی جائے

مرضہ، دسمبر ۱۹۷۷ء
درخواست گزار
ذوالفقار علی بھٹو
ترسطہ شرح دستخط
(ڈی. ایم۔ اے عوانت)
ایڈوکیٹ
(ضنایت اللہ حمید)
(ایڈوکیٹ)
(احسان اللہ خان بلذ)
ایڈوکیٹ
(س لعلت یعقوب)
ایڈوکیٹ

Regd. No. S-2772

Weekly "Al-Fatah" Karachi



ولی خان وزیر عظمیٰ کے لئے سب سے بہترین مین مزاری